علوم القرآن: مطالعۂ قرآن کا ضابطہ
توسیعی وتجدیدی ضرورت

ڈاکٹر پروفیسر محمد عارف خان ☆

مطالعۂ قرآن کے لیے باقاعدہ اصول وقواعد مرتب شدہ ہیں، انہیں علوم القرآن کی اصطلاح سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ان قواعد واصول کی ترتیب وتشکیل اور توسیع واضافہ کی ایک مسلسل تاریخ ہے۔ ''وقت'' کی مناسبت سے ان قواعد واصولوں کا ارتقاء جب کسی موڑ پر رُک گیا تو مطالعہ قرآن کا منہج ''وقت'' کے نظریات وافکار کی تہذیب واصلاح سے قاصر رہنے لگا، جیسے گزشتہ چند صدیوں سے قرآن کا مطالعہ جدید علمی حقائق کو نظرانداز کر کے جاری رکھا گیا اور امت دنیا کی تیسری قوم بن گئی۔

ضرورت اور اہمیت

قرآن کی صداقت وعظمت میں پہلے فرق آیا نہ آئندہ آئے گا۔ سوال قرآن سے انسان اور انسانیت کے استفادے کا ہے۔ انسان کے قرآن سے اخذ واستنباط اور استفادے کے لیے اصول وضابطے مقرر ہیں، ان میں سے پہلا ضابطہ مسلمان ہونا ہے، جو درجۂ معرفت پر پہنچ کر قرآن کے گہر سے انسان کے استفادے کی صورتیں ڈھونڈ نکالنے کا فریضہ سرانجام دے گا۔ البتہ علمی تلاش وجستجو میں قرآن حکیم سے استفادہ ہر انسان کا حق ہے۔ یہ حق بھی توفیقِ الٰہی سے ممکن ہے۔ علمی تلاش وجستجو کے لیے علوم القرآن کے تحت اصول وقواعد اختیار کیے جاتے ہیں۔ ان سطور میں اس بات کا جائزہ مقصود ہے کہ علوم القرآن میں وقت کی مناسبت سے توسیع وتجدید کی کس حد تک ضرورت ہے اور یہ عمل کیوں ضروری ہے؟ ڈاکٹر محمد رفیع الدین (۱) نے اس جہت پر خصوصی توجہ مرکوز کی ہے اور ضرورت کی نشان دہی کی ہے۔ انہوں نے لکھا:

> ''اس دور میں اسلام سوسائٹی کی زندگی کو بنانے اور ڈھالنے والی ایک قوت کی حیثیت سے بے اثر ہوگیا ہے۔''(۲)

جب کوئی عقیدہ وفکر بے اثر ہو جاتی ہے تو افراد پر کوئی متبادل فکر اثر انداز ہونے لگتی ہے۔ اسلام ہی مسلم معاشرت پر واحد مؤثر قوت نہیں رہی۔ لکھتے ہیں:

> ''اب اسلام ایک ایسی قوت نہیں رہا جو زندگی کے سارے افعال واعمال پر نگران اور حکمران ہو۔''(۳)

عقیدہ وفکر بے اثر ہو جائے تو کیا اُس کی صداقت بھی ختم ہو جاتی ہے؟ یہ اہم سوال ہے۔ صداقتِ ازلی

☆ ڈائریکٹر: میاں محمد بخش پبلک لائبریری میرپور

زمان ومکاں سے ماوراء ہے۔عقائد وافکار زمان ومکاں میں وارد ہوتے ہیں' اثرات مرتب کرتے ہیں اور مٹ جاتے ہیں۔ یہ اصول وقاعدہ محمد ﷺ' ختمِ نبوّت اور قرآن حکیم پر لاگو نہیں ہوتا۔شعورِ ختم نبوت بھی زمان ومکاں میں آگے بڑھتا ہے' اثرات مرتّب کرتا ہے' مگر مٹتا نہیں' کیونکہ اسے نہ مٹنے کے اصول وضابطہ سے باندھا گیا ہے۔ہاں اثرات کا تعلق انسانی معاشروں سے ہے۔اثرات کسی معاشرے میں کم وبیش ہوسکتے ہیں' بلکہ اثرات مٹ بھی سکتے ہیں' مگر ختمِ نبوت کا شعورِ نبوت نہیں مٹے گا' کیونکہ صداقت ازلی کی تلاش وجستجو کا بنیادی جوہر اسی شعورِ نبوت میں پنہاں ہے اور قرآن اس کا بنیادی جوہر ہے۔اس جوہر میں کمی آئی ہے نہ آئے گی' کمی آئی ہے تو ہماری صلاحیت میں' لیکن یہ صلاحیت بھی کم وبیش ہوتی رہی ہے' اور ہوتی رہے گی۔قرآن سے اخذ واستفادہ کی تازہ صورت کا نقشہ ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے یوں کھینچا ہے:

''ہم نے علم کو علمِ دین تک اور دین کو قرآن اور حدیث کے الفاظ تک محدود کر دیا' حالانکہ اس وقت جس قدر صحیح اور سچا علم دنیا میں موجود ہے یا آئندہ زمانوں میں انسان کی ذہنی کاوش سے پیدا ہونے والا ہے وہ علمِ دین کے سوا کچھ نہیں۔اس زمانہ میں علوم کی ترقی قرآن کے علم کو بہت آگے لے گئی ہے' لیکن ہم وہیں کے وہیں ہیں' بلکہ قرآن آگے جا رہا ہے اور ہمارا رُخ پیچھے کی طرف ہے۔ہم قرآن کے تازہ علم سے' جو انسان کے قلم کی بدولت صدیوں میں جمع ہو ہو کر اس معیار پر پہنچا ہے' بے اعتنائی برت رہے ہیں' حالانکہ یہ اُسی خدا نے انسان کو دیا ہے جس نے قرآن نازل کیا تھا اور جس نے خود قرآن(۴) میں اس علم کو ایک بخشش اور عنایت کے طور پر یاد کیا ہے۔''(۵)

عقیدہ وفکر بے اثر ہو بھی جائے تو صداقت کی جستجو اور جدوجہد ختم نہیں ہوتی۔انفرادی واجتماعی سعی کا ایک خودکار قسم کا نظام تاریخ سے ثابت ہوتا ہے۔اُمم واقوام بنتی ہیں' مٹتی ہیں' البتہ نصب العین واضح سے واضح تر ہو جاتا ہے۔انسانی شعور کی روز افزوں نمو پذیری اس کا واضح ثبوت ہے۔

مسلم معاشرت کا حرکی جوہر قرآن اور آپ ﷺ سے گہری وابستگی ہے۔یہ حرکی جوہر جب کمزور ہو جاتا ہے تو نقشہ جو بنتا ہے' ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے اُسے یوں بیان کیا:

''کوئی بداخلاقی ایسی نہیں جس سے اسلام نے نہ روکا ہو' لیکن کوئی بداخلاقی ایسی نہیں جس کے ہم مرتکب نہ ہو رہے ہوں۔رشوت ستانی' چور بازاری' کنبہ پروری' جتھے بندی' دوست نوازی' جاہ طلبی' غداری' قومی بے حمیتی' اسراف' حرص' منافقت' جھوٹ' عیاشی' آرام طلبی' سہل نگاری' صوبہ پرستی' نسل پرستی غرضیکہ تمام رزائل جو قوم کی جڑ کاٹنے والے ہیں' دوسری قوموں سے بڑھ کے ہم میں موجود ہیں۔اب اسلام سے ہمارا تعلق قریباً قریباً ایک رسمی یا روایتی حیثیت رکھتا ہے' ورنہ ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی کا کوئی ایسا پہلو نہیں جس میں ہم اسلام سے الگ تھلگ نہ ہو چکے ہوں۔''(۶)

حرکی جوہر (قرآن حکیم) سے اخذ واستفادہ کا ضابطہ

مطالعہ وتفکر' اخذ واستنباط اور عمل واطلاق کے قرآنی قواعد وضوابط کا ایک تدریجی وتاریخی ذخیرہ موجود ہے۔اسے اصطلاحِ عام میں ''علوم القرآن'' کہتے ہیں۔یہ قرآن حکیم کے مطالعہ وتفکر' اخذ واستنباط اور عمل واطلاق کا دروازہ ہے۔یہ فنی نوعیت کا ایک ضابطہ کار ہے جو حکماءِ اسلام نے بتدریج مرتب کیا ہے۔اس پر آخری

کام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ کا ''الفوز الکبیر'' کی صورت میں ہے۔اس کام کی انفرادیت اور اہمیت پر روشنی ڈالنے سے قبل ''علوم القرآن'' اور اس کی تاریخ پر ایک طاہرانہ نگاہ کی ضرورت ہے۔حدیث مبارکہ ہے:

((اِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ اُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ)) (۷)

اس حدیث پاک کو ''علوم القرآن'' کی بنیاد و اساس قرار دیا جا سکتا ہے' اگرچہ اس کے معنی و مدّعا کی تعبیر و تشریح میں علمائے سلف میں اختلاف ہے کہ اس سے مراد محض سات قراءتیں ہیں یا اس کے اندر معنی و جہات بھی مراد ہے۔امام ابن الجوزی (۸) نے اس حدیث سے متعلق بارہ اقوال بیان کیے ہیں۔قولِ اوّل میں وہ ابن مسعود ؓ سے مروی ایک دوسری روایت نقل کرتے ہیں:

((كَانَ الْكِتَابُ الْاَوَّلُ نَزَلَ مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ عَلٰى حَرْفٍ وَاحِدٍ، وَنَزَلَ الْقُرْآنُ مِنْ سَبْعَةِ اَبْوَابٍ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ :زَجْرٌ وَاَمْرٌ وَحَلَالٌ وَحَرَامٌ وَمُحْكَمٌ وَمُتَشَابِهٌ وَاَمْثَالٌ ، فَاَحِلُّوْا حَلَالَهٗ ، وَحَرِّمُوْا حَرَامَهٗ ، وَافْعَلُوْا مَا اُمِرْتُمْ وَانْتَهُوْا عَمَّا نُهِيْتُمْ عَنْهُ ، وَاعْتَبِرُوْا بِاَمْثَالِهٖ ، وَاعْمَلُوْا بِمُحْكَمِهٖ ، وَآمِنُوْا بِمُتَشَابِهِهٖ ، وَقُوْلُوْا آمَنَّا بِاللّٰهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا)) (۹)

علامہ جلال الدین سیوطی نے بھی اس حدیث مبارکہ کے معنی و مدعا سے متعلق مختلف اقوال بیان کیے ہیں۔ وہ اسے مشکل ترین حدیثوں میں شمار کرتے ہیں۔ان کے نزدیک لغت میں حروف کے مصداق حروفِ تہجی' کلمہ' معنی اور پہلو سب ہی مراد ہیں' جبکہ سبعہ کے لفظ سے مراد درحقیقت تعداد نہیں بلکہ سہولت اور وسعت مانی گئی ہے۔ (۱۰) ابن الجزری جو قراءت کے مشہور امام ہیں' نے بھی اس حدیث کو مشکل قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ وہ تیس سال سے زائد عرصہ اس پر غور کرتے رہے۔ (۱۱) سیوطی نے ابن الجزری کے اس حدیث سے متعلق اقوال پر سیر حاصل بحث کی ہے اور قرار دیا ہے کہ اس حدیث پاک میں سات (سبعة) کے لفظ سے درحقیقت تعداد مراد نہیں ہے بلکہ آسانی' سہولت اور وسعت مانی گئی ہے:

اَنَّه ليس المراد بالسبعة حقيقة العدد بل المراد التيسير والتّسهيل والسّعة 'ولفظ السبعة يطلق على إرادة الكثرة فى الآحاد (۱۲)

الزرقانی نے ''مناہل العرفان فی علوم القرآن'' میں اس حدیث پر سیر حاصل بحث کی ہے اور بخاری و مسلم کی دوسری احادیث کی روشنی میں اور سلف کے اقوال کی روشنی میں آٹھ نقطہ ہائے نظر بیان کیے ہیں۔ (۱۳) اردو میں مولانا محمد تقی عثمانی نے اس حدیث پر الزرقانی کی مذکورہ بالا کتب کے علاوہ سلف کی بحث کو بیان کرنے کے بعد قرار دیا ہے کہ سات حروف سے مراد اختلافِ قراءت کی سات نوعتیں ہیں اور یہ قول امام مالک' ابن قتیبہ' رازی' ابن الجزری اور باقلانی کا ہے۔ (۱۴) علوم القرآن کے تحت اس حدیث کی اساسی نوعیت اور اس کی فنی تعبیر و تشریح پر سلف نے بحث کی ہے۔سوال یہ ہے کہ مطالعہ قرآن کے ضمن میں یہ حدیث مخصوص و محدود ضابطہ بناتی ہے یا اس میں وسعت پائی جاتی ہے۔مخصوص و محدود نوعیت داخلی و فنی نوعیت ہوتی ہے جبکہ خارجی یا معنوی نوعیت کو ''وقت'' یا انسان کی نمو پذیری کے عمل سے الگ نہیں کیا جا سکتا اور نہ محدود کیا جا سکتا ہے۔

((فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ)) ''جو تمہارے لیے آسان ہو اُس طریقہ سے مطالعہ کرو''۔اس حدیث پاک

کے اگلے الفاظ بنیادی طور پر دو باتوں کی نشان دہی کرتے ہیں:

(۱) مطالعہ کرو۔

(۲) جس سے تجھے آسانی ہو۔

اقرأ (پڑھنا یا مطالعہ کرنا) تلاوتِ قرآن پاک سے آگے فنی، داخلی اور خارجی مطالعہ مراد ہے اور یہ انسان کی سہولت سے مشروط کیا گیا اور اسی سے آسانی، سہولت اور وسعت کا مفہوم لیا گیا ہے۔

مطالعۂ قرآن کا دروازہ: علومِ قرآن

دورِ حاضر میں علوم جدیدہ، اُن کی شہرت، اُن کی ترقی و اثرات اور اُن کی استدلالی قوت ایک حقیقت ہے، حسّی و عقلی علوم پر انسانی محنت اور پھر ان نتائج کی رو سے انسان کی نمو پذیری کا ایک روشن باب ہے۔ اس جدید شعوری جدّوجُہد میں قرآن حکیم اور رسول اللہ ﷺ کے توسط سے شعورِ انسانی کو جو اختیار و فریضہ ملا اس کا اعتراف مغرب کے ہاں اگر اساسی سطح پر نہیں ہے تو بوجوہ یہ بات شکوہ و شکایت کی نہیں ہے، کیونکہ علومِ جدیدہ کی ترقی اور انسان کی نمو پذیری کا یہ باب الگ سے ہے اور روشن ہے۔ امت کے حکماء کے ذمہ یہ کام نہیں ہے کہ وہ محض علومِ جدیدہ کو تنقید کا نشان بنائیں اور نمو پذیری کے ارتقاء و ترقی سے اپنے آپ کو الگ کر لیں، بلکہ فریضہ یہ ہے کہ حکماءِ اسلام اپنے الہامی و فکری سرمایہ کو دورِ حاضر کے انسان کے لیے فیصلہ کن افادہ کی سطح پر لا سکیں۔

علومِ جدیدہ روایت کش نہیں ہیں اور ماضی کے انسان کی حسی و عقلی محنت اور انسان کی نمو پذیری کا ارتقاء ہے۔ الہامی و فکری سرمایہ کو آج انسان کی نمو پذیری کے نصب العین کے حصول کے لیے بروئے کار لانا وقت کی ضرورت ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ قرآن حکیم انسان کا کامل دستورِ عمل ہے۔ اس دستورِ عمل کی دورِ حاضر میں اطلاقی صورت کمزور ہے۔ اس دستور العمل کو قابلِ عمل، جدید معاشرے پر اطلاق پذیر اور نتیجہ خیز بنانا حکماءِ اسلام کا کام ہے۔

علوم القرآن، قرآن سے حسی و عقلی علوم کے استخراج کی راہ میں حقیقتاً رکاوٹ نہیں ہیں، مگر عملی طور پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حکماء و علماء مطالعہ قرآن کا دائرہ وسیع کرنے سے گریزاں ہیں، حالانکہ سلف کے ہاں اسے بہت وسعت ملی۔ امام بدرالدین زرکشی (م ۷۹۴ھ) نے سنتالیس ایسے علوم کا تذکرہ کیا ہے جو مطالعہ قرآن میں مفید و مددگار ہیں[۱۵] اسی کتاب کی بنیاد پر جلال الدین سیوطی نے علوم القران کی ان انواع پر اضافہ کر کے انہیں اسّی (۸۰) قرار دیا اور خیال ظاہر کیا کہ اس تعداد میں تین سو تک اضافہ ممکن ہے۔[۱۶] جبکہ شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ نے ''الفوز الکبیر'' میں علوم القرآن کی نئی تہذیب کی ہے اور جس پر بیسویں صدی کے برصغیر کے مفسّرین نے اپنی تفسیروں میں استفادہ بھی کیا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ:

☆ علوم القرآن، مطالعہ قرآن کا داخلی و خارجی دروازہ ہے۔ اس دروازہ میں توسیع کے بغیر دورِ جدید میں قرآن کا مطالعہ نتیجہ خیز نہیں ہو رہا۔

☆ دوسرا علوم القرآن کے قواعد و ضوابط میں تبدیلی یا توسیع کا طریقہ کار کیا ہو؟

قرآن حکیم کی لِسانی و فنی تحقیق و تدوین، داخلی معنویت کی جانچ پڑتال اور خارجی حکمت عملی کی اطلاقی صورتِ حال پر رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہی کام شروع ہو گیا تھا، اور جب اسلامی تحریک بلادِ عرب سے باہر نکلی

تو مختلف انسانی معاشروں اور تہذیبوں کی اصلاح اور تہذیب کی خاطر مطالعہ قرآن کے نئے قواعد کلیہ روشناس کرانے کی روش ڈالی گئی۔ ان قواعد کلیہ پر مشتمل کتابوں کی فہرست ابن ندیم نے ''الفہرست'' اور جلال الدین سیوطی نے مرتب کی ہے۔[۱۷] جو کتب اشاعت پذیر ہو کر دور جدید میں پہنچی ہیں ان میں ابن الجوزی[۱۸] امام بدرالدین زرکشی[۱۹] جلال الدین سیوطی[۲۰] نمایاں ہیں۔ متاخرین میں عبدالعظیم زرکانی[۲۱] اور ڈاکٹر صبحی صالح[۲۲] شامل ہیں۔ اس کے علاوہ برصغیر میں شاہ ولی اللہ[۲۳] کی کاوش نمایاں ہے۔ علوم القرآن پر کتب کی ایک فہرست ماضی قریب میں بروکلمان اور فواد سیزگین نے مرتب کی جن کی تعداد چھ سو سے زائد ہے۔ یہ فہرست اردو دائرہ معارف اسلامیہ نے شائع کی ہے۔[۲۴]

قرآن حکیم سے اخذ و استنباط کی تاریخ

(۱) حفظ و تحریر: حفظ سے تحریر، مطالعہ قرآن میں وسعت اختیار کیے جانے کی طرف پہلا قدم تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایما پر قرآن کی جمع و تدوین، حفاظت قرآن اور اسے دوسری اقوام تک پہنچانے کا اہم سبب بنا۔[۲۵]

(۲) تفسیر و تاویل: امام زرکشی نے بیان کیا ہے کہ عبارت کے ذیل میں تین باتیں مطلوب ہوتی ہیں:

ا) فهو المقصود والمراد (معنی و مقصود عبارت معلوم کرنا)

ب) التفسير في اللغة (تفسیر میں لفظ کے لغوی یا ظاہری معنی معلوم کرنا)

ج) التاويل فأصله في اللغة من الاول (تاویل میں لفظ سے باطنی معنی کی دلالت)[۲۶]

(۳) تفسیر بالماثور و تفسیر بالرائے: تفسیر بالماثور قرآن کی تفسیر بالروایت ہے، جبکہ تفسیر بالرائے کا وسیع میدان ہے۔ محکمات و متشابہات میں بھی اس کی تقسیم موجود ہے۔ علامہ سیوطی نے عبید بن الحسن سے روایتاً بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ہر حرف کی ایک حد ہے اور ہر حد کا کوئی مطلع بھی ضرور ہے''[۲۷]

علامہ سیوطی نے بعض علماء کے حوالے سے بیان کیا کہ ہر آیت کے ساٹھ ہزار فہم ہیں۔ گویا قرآن معنوں کا ایک سمندر ہے۔[۲۸]

ڈاکٹر محمود احمد غازی کے مطابق اجتہاد تفسیر قرآن میں بھی جاری ہے۔ جو شخص صحیح رائے پر پہنچ جائے گا اُسے دوہرا اجر اور جو خطا کرے گا اسے ایک اجر ملے گا۔ قرآن مجید میں تفکّر، تدبّر اور تعقل کی یہی ترغیب ہے۔[۲۹]

(۴) روایت و درایتِ حدیث: اُمت پر ایک ایسا وقت آیا کہ انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث و سنت کو پانے کے لیے ایک نیا علم اور اس کے لیے اصول و قواعد کو بنانا پڑا، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ امت ضرورت کے وقت علوم القرآن میں تبدیلی و وسعت لاسکتی ہے۔

بظاہر احادیث کی چھانٹی ایک چونکا دینے والا معاملہ ہے، لیکن موضوع (گھڑی ہوئی جھوٹی) احادیث کی بھرمار نے محدّثین عظام کو ایک ایسے علم کی ایجاد کا راستہ دکھایا جس کی مثال ماقبل و مابعد مشکل سے ڈھونڈی جاسکتی ہے۔ اصولِ علم حدیث، تاریخ علم میں ایک نیا علم و طریقۂ استدلال ہے۔[۳۰]

حدیث علوم القرآن اور فہم القرآن کی فنی و داخلی معنوں کی اساس ہے۔ مولانا شبلی نعمانی کے مطابق:

حدیث وحی غیر متلو ہے۔

حدیث فہم القرآن کا بنیادی جوہر ہے۔

حدیث اور قرآن کے لفظ آپ ﷺ کی زبان سے ادا ہوئے۔

قرآن بلفظہ وحی ہے اور سنت بالمعنی۔(۳۱)

۵۔ اخذ و استنباطِ احکام: قرآن حکیم سے اخذ و استنباطِ احکام کے ضمن میں بے پناہ ذہنی، قلبی اور علمی وسعت کا مظاہرہ کیا گیا۔ فقہ، احکام اور قانون ایک ہی مطلب لیے ہوئے ہیں۔ فقہ ایک علمی اصطلاح کے طور پر مشہور ہوئی ہے۔ فقہ، قرآن و حدیث کی روشنی میں باقاعدہ اصولوں کے تحت احکام و قوانین کو اخذ و مرتب کرنا ہے۔ یوں پانچ مذاہب فقہ پر امت کا اجماع ہے، لیکن تاریخ کے ایک خاص دور میں اس پر خوب کام ہوا ہے۔ امام غزالی نے قرآن کے بنیادی مآخذ میں سنت، اجماع اور عقل کو بھی بیان کیا ہے۔(۳۲)

(۶) اخذ و استنباطِ فکر: قرآن حکیم سے احکام و قانون کے اخذ و تنظیم میں اُمت نے جس کمال کا مظاہرہ تاریخ کے ایک خاص دور میں کیا وہ حصولِ فکر و نظریہ میں نہ ہو سکا۔ شاید وہ دور نظریاتی نہیں تھا، جبکہ آج نظریہ و افکار کا چیلنج درپیش ہے۔ مطالعہ قرآن کے ضمن میں یہ نظریاتی چیلنج تازہ مطالبہ ہے اور قرآن اس کے لیے کفایت کرتا ہے۔

علوم القرآن کے قواعد کلیہ

الف: علوم القرآن بنیادی طور پر قرآن حکیم سے احکام و فکر کے قواعد و ضوابط ہیں جو وقت کے ساتھ ترتیب پاتے رہے اور آج نئے سرے سے ان کی تجدید و تہذیب کی ضرورت ہے، کیونکہ وقت احکامی مسائل سے فکری و نظریاتی دور کا آ گیا ہے۔ **مجلة الاحکام العدلیه** کے مطابق:

> ''قواعد کلیہ سے واقفیت کے بعد انسان کے لیے روزمرہ زندگی میں شریعت کے نقطہ نظر کو جاننا اور اپنے معاملات پر منطبق کرنا آسان ہو جاتا ہے۔''(۳۳)

ان قواعد و ضوابط کی ایک تاریخ ہے۔

اوّل: امام عزالدین بن عبدالسلام (م ۶۶۰ھ) نے دو قاعدے منفعیت و مضرت(۳۴) ابن السبکی (م ۷۷۱ھ) نے پانچ(۳۵) سیوطی (م ۹۱۱ھ) نے پانچ(۳۶) اور ابن نجیم (م ۹۷۰ھ) نے چھ قواعد بیان کیے۔(۳۷)

دوم: وہ قواعد جو مختلف اقسام کے ابواب کے درمیان مشترک ہیں۔ امام کرخی (م ۳۴۰ھ) "رسالة الاصول" زرکشی نے "المنشور فی القواعد" اور سیوطی نے "الأشباه والنظائر" میں اسے بیان کیا ہے۔

سوم: ایک قسم کے مختلف باب میں بعض مشترک قواعد شامل ہوتے ہیں، مثلاً عبادت یا مالی معاملات وغیرہ میں(۳۸)

چہارم: کسی ایک باب سے تعلق رکھنے والے قواعد، ابن السبکی، ابن نجیم اور سیوطی نے مکمل باب باندھے ہیں(۳۹)

ب: شاہ ولی اللہؒ نے فہم قرآن کی تحریک کو آگے بڑھانے کے لیے علوم القرآن کی نئے حالات کے مطابق تجدید و

تہذیب کی اور نئے قواعد کی نشاندہی کی۔ ''الفوز الکبیر'' کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

''عنایتِ خداوندی سے امید ہے کہ طالب علموں کے لیے ان قواعد کے فہم کے بعد فہمِ مطالبِ قرآن کی کشادہ راہ مل جائے گی۔''(۴۰)

شاہ ولی اللہؒ کے بعد علوم القرآن کی تجدید وتہذیب کی تا حال باقاعدہ سعی نہیں ہوئی حالانکہ اس دوران دنیا میں تغیرات وتبدیلی بہت تیزی سے ہوئی۔ فہم قرآن کی یہ تحریک ضرور آگے بڑھی اور زیادہ تر مفسّرین نے شاہ ولی اللہ کے کام کو بنیاد بنایا مگر یہ کوشش ایک مقام پر آ کر رک گئی ہے۔ بہت سے مفسرین نے تغیرات وتبدیلی کو تسلیم کیا اور قرآن کا مطالعہ اس وقت کی مناسبت سے کرنے پر زور دیا۔ ان میں سرسید احمد خان (۴۱) مولانا ابوالکلام آزاد (۴۲) مولانا عبدالماجد دریا آبادی (۴۳) علامہ محمد اقبال (۴۴) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی (۴۵) مولانا امین احسن اصلاحی (۴۶) پیر کرم شاہ، ڈاکٹر اسرار احمد (۴۷) ڈاکٹر برہان احمد فاروقی (۴۸) ڈاکٹر محمود احمد غازی (۴۹) اور مولانا محمد تقی عثمانی جیسے نمایاں علماء وحکماء شامل ہیں۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے داخلی (۵۰) اور خارجی (۵۱) اسباب کی نشاندہی کی ہے۔ داخلی سبب قرآن کی تعبیرات کا نتائج سے عاری ہونا ہے (۵۲) اور خارجی سبب نئی دریافتوں کی صورت میں سامنے آنے والی صداقتوں سے روگردانی ہے۔ (۵۳)

قرآن کی حرکی جوہریت اور علمِ جدید کا نظریاتی پہلو

قرآن کی حرکی جوہریت کے احکامی قواعد وضوابط کا اطلاق اور اس کے اثرات تاریخ کا ایک اہم اور درخشاں باب ہے۔ تغیرات وتبدیلی کا موجودہ دور شعورِ انسانی کے کمالات کا غماز ہے، موجودہ تبدیلی اور نمو پذیری کے پس منظر میں نظریاتی وفکری جنگ ہے۔ نظریاتی جنگ کے دوران مذہب کا احکامی پہلو شکست سے دوچار ہوا اور اس کی جگہ نظریاتی وابستگی اور اس کی رو سے زندگی کے مسائل حل کرنے کا پہلو حاوی ہو گیا۔ نظریاتی یا خارجی اثرات کا پہلو علوم القرآن کا حصہ نہیں بنایا گیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مطالعہ قرآن کا دائرہ قرآن حکیم کے داخلی و احکامی پہلوؤں تک محیط رہا اور نتائج آنے بند ہو گئے۔ علوم القرآن میں توسیع واضافہ کی مجتہدانہ سعی کے بغیر مطالعہ قرآن میں وسعتِ فکر محدود رہتی ہے، جو عصر حاضر کے نظریاتی وعملی مسائل سے الگ تھلگ نظر آتی ہے۔ علمِ جدید اور اس کے اثرات انسانی زندگی کے بہت سے مسائل حل کرنے میں کامیاب نظر آتے ہیں، لیکن نظریاتی دائرے میں جا کر اسی سے بہت سے مسائل بھی پیدا ہوتے ہیں۔ قرآن حکیم ان مسائل کے حل کے لیے کفایت کرتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ علوم القرآن میں علم جدید کے موضوعات شامل کر کے مطالعہ قرآن کا دائرہ وسیع کیا جائے تا کہ نظریاتی پہلو میں اصلاح وتہذیب کا کام ممکن ہو سکے۔

علم جدید کے موضوعات کو تین حصوں میں بیان کیا جاتا ہے:

(۱) علمیات (۲) فکریات (۳) معاملات

جدید اصطلاح کے تحت علمیات کے تین میدان ہیں:

(ا) طبیعیات: طبیعیات کے میدان میں موجودہ علمی ترقی ''مادہ'' کے اس تصور پر مبنی ہے کہ یہ قدیم ہے، خود بخود ہے اور خود کار ہے، جبکہ قرآن کے مطابق مادہ حتمی وقطعی طور پر خدا کی خالقیت اور ربوبیت کی وجہ سے ہے۔ (۵۴)

حقیقتِ اشیاء کے متعلق مغربی طبیعیات کا موقف ہے کہ صداقت صرف وہی ہے جسے ہم براہ راست اپنے حواسِ خمسہ سے دریافت کر سکتے ہیں۔اس کے علاوہ اشیاء موجود ہی نہیں یا معدوم ہیں۔(۵۵) قرآن محسوسات کو ذریعۂ علم تو تسلیم کرتا ہے، مگر واحد ذریعہ کے طور پر تسلیم نہیں کرتا۔ان دونوں باتوں کا تعلق نظریات سے ہے۔

(ب) حیاتیات: حیاتیات محض زندگی کی سائنس ہے اور زندگی ایک خودکار ارتقائی عمل کا نتیجہ ہے۔(۵۶) ڈارون کے نظریے کے مطابق ارتقاء نے اس تصور کو سائنسی اور علمی میدان میں نظریاتی طور پر مستحکم بنیادیں فراہم کی ہیں۔(۵۷) قرآن حقیقتِ ارتقاء کو رد نہیں کرتا مگر اسے خودکار ارتقاء بغیر کسی باشعور ہستی کے تسلیم نہیں کرتا ہے اور واضح طور پر ''کُن'' کا تخلیقی عمل باور کرتا ہے۔

(ج) نفسیات: نفسیات کا تعلق انسانی فطرت کے شعوری علم، قوتِ محرکہ، نصب العین اور فعلیت کے عمل سے ہے۔مغرب کا مادی و میکانکی نظریہ وجود، عقل، خمیر، محبت اور عبادت سب کو ایک اتفاق سمجھتا ہے۔(۵۸) میگڈوگل انسان کی قوتِ محرکہ جبلتوں کو قرار دیتا ہے۔(۵۹) فرائیڈ انسان کے لاشعور میں طوفانِ تمنا (جنسی خواہش) قرار دیتا ہے۔(۶۰) جبکہ قرآن کے نزدیک انسانی قوتِ محرکہ اور حقیقتِ فعلیت جذبۂ محبت ہے اور آدرش و نصب العین خدا سے محبت ہے۔(۶۱)

جدید اصطلاح میں ''فکریات'' کو بھی تین بڑے نظریات کے تحت بیان کیا جا سکتا ہے۔

(ا) نظریہ ارتقاء (۶۲)

(ب) نظریہ جبلت (۶۳)

(ج) نظریہ لاشعور (۶۴)

جدید اصطلاح میں ''معاملات'' انفرادی، اجتماعی یا قومی اور بین الاقوامی سطح پر حرکت و فعلیت سے متعلق باور ہوتے ہیں، جو سیاسیات، معاشیات، عمرانیات اور اخلاقیات ہیں:

(ا) سیاسیات: ریاست، وجودِ ریاست اور فریضۂ ریاست کو قومیت، وطنیت اور جمہوریت کے تحت جدید طاقت میسر آئی ہے۔(۶۵) قرآن، قومیت، وطنیت اور جمہوریت کے انسانی آدرش کو نظر انداز نہیں کرتا مگر وہ ان کو انسان کی واحد بنیاد تسلیم نہیں کرتا۔دوسری طرف قرآنی مثال کسی اسلامی ملک میں رائج نہیں ہے۔اس کے برعکس محض تحریری طور پر تاریخی سیاسی عمل کو زیر بحث لایا جاتا ہے، مگر رائج الوقت سیاسی نظاموں کو قرآن کی کسوٹی پر پرکھنے کی ضرورت ہے۔اس ضمن میں تین معروف سیاسی نظامِ حکومت عمل پذیر ہیں:

(۱) بادشاہی یا شہنشاہی نظام (۲) فوجی آمریت (۳) جمہوریت

(ب) معاشیات: مولانا حنیف ندوی نے بیان کیا:

''جب تمام انسان شرفِ انسانیت میں برابر ہیں، جب سب کی ضرورتیں یکساں احترام کے لائق ہیں، یعنی جب ہر شخص کی ذہنی اور جسمانی توانائیوں کی پرورش کے لیے عمدہ غذا درکار ہے، جب سب کو ایسے صحت مند ٹھکانہ کی ضرورت ہے کہ جس میں وہ زندگی کے دن اطمینان سے گزار سکے، جب اس کی صحت مناسب دوا اور علاج کی سہولتوں سے بہرہ مندی کی طالب ہے اور سب کی روحانی و اخلاقی یا فنی تربیت اس بات کی

مقتضی ہے کہ اس کے لیے بغیر کسی امتیاز کے دانش گاہوں کے دروازے کھلے رہیں' تو پھر یہ کیا اندھیرا ہے کہ ہمارے ہاں ان حقائق سے قطع نظر ایک ہی انسانی معاشرہ دو مختلف خانوں میں بٹا ہوا ہے اور ایک ہی تصویر کے دو متضاد رُخ نمایاں ہیں۔ ایک گروہ کو نہ صرف زندگی کی تمام سہولتیں حاصل ہیں بلکہ وہ تعیش اور تمول کے اس مقام پر فائز ہے کہ جہاں دولت کی فروانی اس کو اخلاق کے حدود سے تجاوز کر کے گناہ و معصیت کی وادیوں میں لا ڈالتی ہے اور دوسرا گروہ نانِ شبینہ تک کا محتاج ہے۔''(۶۶)

اس پس منظر میں چند نظام روبہ عمل ہیں اور قرآن کی کسوٹی پر پرکھے جانے کے روادار ہیں:

(۱) سوشلزم (۲) کمیونزم (۳) اسلام ازم (۴) کیپٹلزم

انہی نظاموں کا نتیجہ ہے کہ آج جہاں کیپٹلزم ہے وہ پہلی دنیا' جہاں سوشلزم و کمیونزم ہے وہ دوسری دنیا اور جہاں اسلام ازم ہے' وہ تیسری دنیا ہے۔ وارثانِ قرآن کے لیے کم از کم یہ نتیجہ حوصلہ افزا نہیں ہے۔

نظامِ زر آج کا نعرہ اور نظریہ ہے۔ انسان کی بہبود اس سے وابستہ ہے۔ کاغذی نوٹ بصورتِ زر' نظامِ بینکاری اور بین الاقوامی لین دین میں ڈالر' پاؤنڈ' یورو اور روپیہ حقائق ہیں۔ ان حقیقتوں کو پیش نظر رکھ کر قرآن سے راہنمائی درکار ہے۔ قرآن سے راہنمائی کا واضح نتیجہ مسلمان کی خوشحالی و آسودگی کی صورت میں نکلنا ہی حجیتِ قرآن ہے۔ یہ خوشحالی و آسودگی تین مرکزی میدانوں یعنی سیاست' معیشت اور معاشرت میں واضح طور پر نظر آئے۔ دنیا کے اکثر ممالک میں خوشحالی و آسودگی کا نتیجہ بہت واضح ہے۔ وہ ایک معیار ہے۔ اس معیار کو پانا اور پھر اُس سے آگے بڑھنا قرآن کا نصب العین ہے۔

(ج) عمرانیات: تعلیم' صحت' انصاف عمرانی زندگی کے بنیادی میدان ہیں۔ ان میں ترقی کسی قوم کی ترقی شمار ہوتی ہے۔ یہ زندگی کے اہم معاملات ہیں۔ دلچسپ بات یہ کہ مسلم دنیا میں یہ تینوں میدان سب سے کم توجہ کے لائق ٹھہرتے ہیں۔ اگر آپ کو تعلیم' صحت اور انصاف آج کے وقت کے مطابق میسر نہیں تو آپ نظریاتی جنگ نہیں لڑ سکتے اور دنیا کی تیسری قوم رہیں گے۔ جہالت کی سب سے بدصورت شکل مسلم ممالک میں ہے' جو سب قرآن پر بطورِ عقیدہ ایک مضبوط ایمان رکھتے ہیں' اور جو اپنا آغاز ہی ''اقرأ'' سے کرتے ہیں اور ان کا دعویٰ ہے کہ وہ علم ہی علم ہے۔

صحت مند انسان کے لیے ۲۴ گھنٹے کا ایک مکمل مینیو نہ صرف قرآن نے دیا بلکہ بتکرار بتایا اور سخت نظم دیا۔ کیسے کھانا' کیسے پینا' کس وقت کھانا' کس وقت پینا' کس وقت سونا اور جاگنا' منہ' دانت' ہاتھ صاف کرنے ہیں۔ عبادات کے اوقات کار اس نظم کی ایک لمبی تفصیل ہے۔ یہ شخصی ضابطہ کار ہے۔ اجتماعی ضابطہ کار معالج گاہیں ہیں۔ دنیا نے اپنی معالج گاہیں شاندار طریقے سے بنائی ہیں اور مسلم دنیا میں زیادہ تر قتل گاہیں ہیں۔ انصاف معاشرے یا قوم کو مٹ جانے سے روکتا ہے۔ مسلم ممالک میں انصاف کو اسلامی قوانین اور جدید مؤثر قوانین میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ قرآن انصاف کو لازم قرار دیتا ہے۔ مقصد انصاف کا حصول ہے۔ یہ کسی قانون و نظام سے پورا ہو جائے' قرآن کا ہی انصاف ہوگا۔ البتہ قرآن نے انصاف کے بنیادی اصول بھی دے رکھے ہیں۔

(د) اخلاقیات: سیاست' معیشت اور معاشرت کو اخلاقی حدود مہیا کرنا معاملاتِ زندگی میں اولین تقاضا ہے'

لیکن یہ بات زیر بحث رہتی ہے کہ کیا ان معاملات کو اخلاقی جواز مہیا کرنا ضروری ہے؟ قرآن انسانی سماج کی بنیاد اخلاق پر اٹھانا باور کرتا ہے۔ قرآن کا یہی وہ نسخہ کیمیا ہے جس کی اہمیت ہم اب نمایاں نہیں کر سکے' مگر آنے والے وقت میں قرآن کا یہ پیغام نمایاں ہو کر رہے گا۔ قرآن معاملات کو حل کرنے کے لیے گو بنیادی راہنما اصول دیتا ہے' لیکن قرآن کا زور اس بات پر ہے کہ انسان اپنے ارتقاءِ تجربہ و مشاہدہ سے معاملات کے حل کے لیے جو کوشش و طریقہ اختیار کرے' انہیں ہر حال اور ہر قیمت پر اخلاقی جواز مہیا کرے۔ معیارِ اخلاق کو سیاسی قربان گاہ پر چڑھا کر معاشی میدان میں من پسند یا ذات پسندی کا موجب بنا دیا گیا' مگر علم کی دنیا میں معیارِ اخلاق خیر اور شر کے گرد ہی گھومتا ہے اور قرآن کا سبق بھی معاملات میں خیر و شر' جائز و ناجائز اور حلال و حرام ہے۔

علمِ جدید کے مؤثر اور نتیجہ خیز نظریات کو علوم القرآن کی فہرست میں شامل کیے جانے کی ضرورت ہے۔ اس وجہ سے قرآن کے مطالعہ کا میدان وسیع ہو کر تمام داخلی معنویت اور خارجی نظریات و اثرات کا احاطہ کرے گا۔ حجیتِ قرآن حرکت' تبدیلی' وقت اور فاصلے سے مشروط ہے۔ علم جدید کے جن نظریاتی موضوعات کی نشاندہی کی گئی ہے یہ سب حرکت' تبدیلی' وقت اور فاصلہ کے مرہونِ منت ہیں۔ ان موضوعات و نظریات کے تحت ایک دنیا نے جو اثرات قبول کر لیے ہیں اور نتائج سامنے لے آئے ہیں' ان سے چشم پوشی مسئلہ کا حل نہیں ہے' امت کا آلۂ شعور و میزان قرآن حکیم اور محمد ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہے۔ علم جدید نے مطالعہ قرآن میں سہولت دی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ علم جدید کو مطالعہ قرآن کے لازمی موضوعات قرار دیے جائیں۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی لکھتے ہیں:

> ''کہ یہ اللہ تعالیٰ پر منحصر ہے کہ وہ جسے چاہے' جتنا دے' بتلا دے نصوصِ قرآنی ہی سے اشارۃً یا دلالۃً یا اقتضاءً' یا اقوالِ رسول ﷺ سے صراحتاً' پس سارے کا سارا حق ہے اور متشابہات کے معنی جو کچھ بھی ہوں بہرحال حق ہیں۔''(۶۷)

علامہ اقبال نے تجدد کی اس تحریک سے استفادہ پر زبردست زور دیا اور علماء و حکماء کو بہت حد تک اس طرف توجہ پر مائل کیا۔ انہوں نے بیان کیا کہ:

☆ گزشتہ پانچ صدیوں سے اُمت مسلمہ زوال و جمود کی کیفیت میں ہے۔
☆ اس دوران یورپ نے اُن مسائل پر غور و فکر جاری رکھا جو کبھی مسلم علماء و حکماء کے زیر غور تھے۔
☆ یورپ علمی و عملی امامت کے قابل ہوا تو عالم اسلام نے تیزی سے اُس طرف بڑھنا شروع کر دیا۔
☆ یہ وہ وقت ہے کہ جس میں انسانی فکر اور تجربے کی دنیا میں غیر معمولی وسعت پیدا ہو چکی ہے۔
☆ فضیلت کا ایک نیا احساس اور نئے نئے نقطہ ہائے نظر پیدا ہو رہے ہیں۔
☆ عقلِ انسانی زمان و مکان اور علّیت ایسے بنیادی معقولات و مندرجات کی دنیا سے بھی آگے نکل جائے گی۔
☆ اور یہ کہ انسانی علم و ادراک اور سمجھ بوجھ کے متعلق بھی ہمارے تصورات بدل رہے ہیں۔
☆ قرآن مجید کی روح کو مدنظر رکھتے ہوئے مسلمانوں نے متعدد جدید علوم کی بنا ڈالی۔
☆ ذاتِ خدا تعالیٰ کی الہامی و روحانی جستجو کو درست قرار دے کر اختیار و مشاہدے کی روح کو بیدار کیا۔
☆ قرآن مجید کے نزدیک کائنات میں ایک عظیم مقصد کام کر رہا ہے جو ہمیں نئے نئے سانچوں میں ڈھلنے پر آمادہ

کرتا ہے۔

☆ گویا قرآن مجید نے ہمیں تغیّر وتبدیلی ایسی زبردست حقیقت کی طرف متوجہ کیا۔ (۶۸)

ڈاکٹر محمد رفیع الدین کا موقف ہے کہ:

''اب جبکہ وہ نبی ﷺ جن پر قرآن نازل ہوا تھا' ہم میں نہیں ہیں اور دوبارہ ہم میں نہیں آسکتے' بدلتے ہوئے حالات کے اندر خدا اور رسولؐ کے منشا اور قرآن کے مطلب اور مدعا کو معلوم کرنے اور فہمِ قرآن کے بارے میں اپنے اختلافات کو مٹانے کا ایک ذریعہ قدرت نے ہمارے لیے موجود رکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم قرآن کو حکمیاتی انداز سے سمجھنے لگیں اور علم کی ترقیات کی بدولت ایسا ضرور ہو کر رہے گا۔''

دوسری جگہ لکھا:

''میرے خیال میں قرآن کا یہی عقلی یا حکمیاتی علم ہے جو اب اسلام کے لیے تمام قسم کی ترقیوں کا دروازہ کھول سکتا ہے۔ جب تک قرآن کا یہ حکمیاتی علم آشکارا نہیں ہوگا ہم حکمت مغرب کے چیلنج کا جواب نہیں دے سکیں گے۔'' (۶۹)

وقت آ گیا ہے کہ علم جدید اور اس کے اثرات کو ایک حقیقت کے طور پر لیا جائے۔ حکماءِ اسلام حقیقت کا مطالعہ کریں۔ علم جدید کتنا نصب العینی ہے اور اُس کے اثرات منفی کس قدر ہیں؟ ان دونوں باتوں کو ہی قرآن کی کسوٹی پر لانے کی ضرورت ہے۔ قرآن ایک معیار و میزان ہے۔ اس معیار و میزان کو انسان کی بہتری کے لیے برقرار رکھنے کا فریضہ امت کے حکماء پر ہے۔

مطالعہ قرآن کی تین جہتیں نمایاں صورت رکھتی ہیں:

(۱) داخلی معنویت قرآن (۲) نظریاتی مناقشہ اور عصر جدید (۳) خارجی اثرات اور علم جدید

(۱) داخلی معنویت اور قرآن

قرآن حکیم کے الفاظ کی داخلی یا لغوی معنی و مفہوم کی تحقیق و جستجو اولین جہت ہے اور اس جہت پر اُمت کے علماء و حکماء کا کام صدیوں کی محنت و ریاضت پر پھیلا ہوا ہے۔ اہم ترین بات یہ ہے کہ قرآن کے لفظوں کی حفاظت کا ذمہ تو خدا تعالیٰ نے خود لے رکھا ہے' الفاظ کے داخلی معنوں کی حفاظت بھی اُمت کے علماء و حکماء کے ذریعے ممکن بنادی ہے۔ یہ محنت جاری ہے۔ قرآن کے ان علوم کو اصطلاحاً ''علوم القرآن'' کا نام دیا گیا ہے۔ یہ امدادی علوم کے طور پر بتدریج مرتب ہوئے۔ امام بدرالدین زرکشی نے سینتالیس اور امام جلال الدین سیوطی نے اضافہ کرتے ہوئے ان کی تعداد اسّی (۸۰) بیان کی اور اس اضافے کی مزید نشاندہی کی۔ اسّی (۸۰) علوم القرآن کا تذکرہ اکثر کتب میں ملتا ہے' جبکہ ''الاتقان'' عربی اور اردو میں موجود ہے۔

(۲) نظریاتی کشمکش اور عصرِ جدید

گزشتہ چند صدیاں نظریاتی کشمکش اور مناقشہ کی صدیاں ہیں۔ نظریات کی اس جنگ میں ہر قوم اور ہر انسان نے حصہ لیا ہے۔ سرد جنگ کے بعد اس میں وقتی کمی آئی۔ کمیونزم و سوشلزم کو کیپٹلزم کے ہاتھوں شکست ہوئی'

مگر یہ نظریاتی جنگ اب نئے روپ میں سامنے آچکی ہے۔اب یہ کشمکش اور مناقشہ کیپٹلزم اور اسلام ازم کے درمیان برپا ہے۔گزشتہ صدیوں میں اسلام ازم دفاع پر رہا بلکہ کیپٹلزم کی حمایت پر آمادہ بھی نظر آیا۔اب صورتِ حال تبدیل ہوچکی ہے۔اسلام ازم کے علمبردار مسلمان ہیں۔محمد رسول اللہ ﷺ اُن کے رہبر اور قرآن اُن کا دستور العمل ہے۔قرآن سے نظریاتی کشمکش میں سرخروئی کے لیے ہدایت درکار ہے۔قرآن سے اخذ واستنباط کا تازہ زاویۂ نگاہ اور جدید جہت وانداز کی ضرورت ہے۔متکلم قرآن ہوکر ہی جدید مؤثر نظریات کو قرآن کی کسوٹی پر پرکھ سکتے ہیں۔متکلمِ قرآن کو جدید نظریات اور جدید علوم سے براہ راست آگاہی کے بعد ہی مطالعہ قرآن سے اخذ واستنباط کے عمل کو نتیجہ خیز بنانا ہے۔نظریات کی جنگ قرآن سے جیتی جائے گی۔درج ذیل نظریات کو قرآن کے تحت مطالعہ کی غرض سے انہیں ضابطہ قرآن برائے مطالعہ ''علوم القرآن'' کا حصہ بنا دینے کی تجویز علماء وحکماء کے ہاں پیش خدمت ہے۔یہ نظریات ہیں۔اُمت کی نظریاتی سطح پر آگے بڑھنا ہوگا۔

نظریاتی علوم کو ''علوم القرآن'' کے اصول وضوابط میں بطور قاعدہ کلیہ شامل کریں۔نظریاتی علوم کو قرآنی نظریہ کی کسوٹی پر پرکھیں۔منفی حصہ کی نشاندہی کریں تاکہ ان نظریات نے جو اُمہ پر اثر ڈالا ہے اس کا ازالہ کیا جاسکے۔اسّی (۸۰) علوم القرآن کی فہرست میں مزید اضافہ سے قرآن کی تفہیم کا دائرہ وسیع ہوگا۔

کیپٹلزم (Capitalism): سرمایہ داری نظام' اس کا مرکزی محور سرمایہ کاری ہے اور اس سرمایہ کاری سے منافع حاصل کرنا ہے' اس کا آغاز اٹھارہویں صدی عیسوی میں برطانیہ سے ہوا جو ایک صنعتی ملک کا درجہ اختیار کر رہا تھا۔انیسویں صدی عیسوی تک کیپٹلزم باقاعدہ ایک نظریہ بن گیا اور سیاسی نظام اس کی گرفت میں آکر اس نئی اصطلاح (کیپٹلزم) کا نعم البدل بن گیا اور سیاسی اصطلاح کے تحت سرمایہ داری نظام بن گیا۔اس نظام (کیپٹلزم) کے صحیح وغلط نتائج اور اُس کے مسلم تمدن پر اثرات کے مثبت تجزیہ کے لیے قرآنی فکر بطور آلہ ومعیار ہے۔اس کے لیے اصول یہ ہے کہ ''کیپٹلزم'' کے عنوان کو ''علوم القرآن'' کا ایک قاعدہ کلیہ قرار دے دیا جائے تاکہ مسلم ذہن موجودہ وقت کے مؤثر نظریات سے لاتعلقی رکھ کر قرآن سے اخذ واستنباط نہ کرے' بلکہ جدید انسان کو جدید قرآنی فکر سے آگاہ رکھنے کے لیے جدید نظریات کو مدنظر رکھے۔

سوشلزم (Socialism): سیاسی لحاظ سے یہ اصطلاح کیپٹلزم کے مخالف پیدا ہوئی۔نظریاتی مناقشہ صحیح معنوں میں سوشلزم اور کیپٹلزم کے درمیان پیدا ہوا۔کیپٹلزم میں مدار دولت ومنافع کا کاروبار ہے' سوشلزم کا مدار انسانی نمود یا خودعیاں (self evident) ہے۔بقول مائکل نیومین سوشلزم کی اعلیٰ سطح پر بنیاد رکھی گئی اور نچلی سطح پر منظم ہوا۔سوشلزم نے ریاستی نظام کے طور پر ایک سے زائد شکلیں اختیار کیں جو ساری کی ساری کیپٹلزم کے خلاف تھیں۔سوشلزم کو ماننے والے سوشلسٹ کہلائے۔اُن کا خیال ہے کہ انسانی شعور کی تنظیم سے دنیا میں تبدیلیاں لانا ممکن ہے۔اس فہم نے مسلم ممالک کے اعلیٰ ذہین افراد کو متاثر کیا' لیکن یہ ذہین افراد اسلامی فکر کے حوالے سے کوئی قابل قبول ہم آہنگی کی فکر پیدا نہ کرسکے۔اسلامیانِ دنیا کا بنیادی اصول محمد مصطفےٰ ﷺ اور قرآن پر مدار کرنا ہے۔بنیادی اصول وہی رہے گا۔اسی کی بنیاد پر دنیا کے تمام نظاموں کی چھان پھٹک درکار ہے۔اس لیے

یہ مناسب حکمت عملی ہوگی کہ سوشلزم اور دوسرے نظریات کو علوم القرآن کا حصہ بنا دیا جائے تا کہ ان سیاسی ومعاشی نظریات کو قرآن کی فکر کے تحت براہ راست زیر بحث لایا جائے نہ کہ انہیں قرآنی فکر سے غیر سمجھ کر منتشر انداز میں بحث کر کے وقت ضائع کیا جائے۔

کمیونزم (Communism): کمیونزم کا نظریہ کارل مارکس اور اینجلز نے دیا۔ سوشلزم میں بھی کارل مارکس کی پیروی ہوتی ہے۔ مارکس اور اینجلز نے مل کر کمیونسٹ منشور (Communist Manifesto) ترتیب دیا' مروّجہ معاشی وسماجی خامیوں کی نشاندہی کی اور اپنے اصولوں پر دنیا کو چلانے کا نظریہ دیا' جس کے بنیادی اصولوں میں تاریخ کی مادی تعبیر' طبقاتی کشمکش' نظریہ قدرِ زائد' انقلاب کا ناگزیر ہونا' غیر طبقاتی سماج اور محنت کشوں کی حکومت شامل ہے۔ بنیادی طور پر یہ معاشی اور سماجی نظریہ ہے۔ قرآن کا اپنا معاشی اور سماجی نظریہ ہے۔ کمیونزم ایک محدود دائرے میں عوام کی معاشی وسماجی بہتری کے لیے نظریہ اجاگر کرتا ہے۔ اُس کے مقابلے میں قرآنی نظریہ غیر محدود حد تک عوام کی معاشی وسماجی بہتری کے ساتھ زندگی کے دوسرے پہلوؤں اور ضرورتوں کے لیے بھی ہدایت وراہنمائی فراہم کرتا ہے۔ قرآن نظریاتی بنیادوں پر کسی بھی نظریہ کی چھان پھٹک سے گریز نہیں کرتا ہے۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے ''کمیونسٹ مینی فیسٹو'' کے خلاف ''مینی فیسٹو آف اسلام''(۷۰) تحریر کی ہے۔ اسے ''علوم القرآن'' کے تحت لایا جاسکتا ہے۔

سیکولرزم (Secularism): یہ اصطلاح عیسائی مذہب کے کلیسائی حکمرانی کے پس منظر میں سامنے آئی۔ مذہبی اجارہ داری' مذہبی استحصال اور جابرانہ حکمرانی کے توڑ کے لیے نظریاتی حل تلاش کیا گیا۔ کلیسائی مذہب موت سے ڈرا کر حکمرانی کو خدائی بنا دیتا تھا۔ سیکولر نظریہ میں آخرت کے بجائے موجودہ زندگی کو مرکز توجہ بنایا گیا۔ عوام کی بہبود اور ضروریات پر توجہ مبذول کی گئی۔ یہ ایک حکمت عملی تھی جو بنائی گئی' اس پر عمل پیرا ہوا گیا۔ اس کے عوام کے حق میں نتائج بھی آئے۔ ایک نئی دنیا آباد کر دی گئی۔ ترقی کی بلندیوں کی چھوا جا رہا ہے' لیکن مذہب عیسائی تو چھوڑا نہیں گیا۔ گرجا گھر بھی موجود ہیں' عبادت بھی ہوتی ہے۔ ہاں صرف وہ پہلے کی طرح کلیسائی گرفت ختم ہو چکی ہے۔ قرآن حکیم سے بظاہر اس کا نظریاتی ٹکراؤ نہیں ہے' کیونکہ یہ حکمت عملی کلیسا کے خلاف تھی۔ مگر ان ممالک نے ترقی کی تو اپنے آپ کو عیسائی ویہودی جان کر مسلم ممالک کو زیر کر لیا اور سیکولرزم کے مغربی ماڈل کو مسلم ممالک میں روشناس کرا دیا اور گہرے اثرات مرتب کیے۔ مسلمانوں کی بہبود اور ضروریات کے لیے قرآن کی روشنی میں حکمت عملی مرتب کرنا وارثانِ قرآن کا کام ہے' اور یہ کام ان نظریات کے اصول وقواعد کا قرآن کے تحت چھان پھٹک سے ہے۔ اس کے لیے انہیں ''علوم القرآن'' کے تحت لانا ہوگا۔

عوامی ازم (جمہوریت): نظریاتی جنگ میں شامل مذکورہ نظریات کی ترقی وترویج کے لیے اسے جو ریاستی چھتری اور نظام ملا اُسے جمہوریت(۷۱) یعنی عوامی ازم کا نام دیا گیا ہے۔ اسلام ازم کے علاوہ تینوں نظریات معیشت وکاروبار کو بنیاد بناتے ہیں۔ اس کاروبار اور منافع کے حصول کے لیے عوام کو شامل کیا گیا۔ عوام نے باہمی مشاورت کے نظام کو تنظیم دی اور رائے کا احترام کیا' اس عمل کو جمہوریت کا نام دیا گیا۔ اسلام ازم میں اس عمل کو ناپسندیدہ باور کیا گیا' جو درست عمل نہ تھا' دوسری جانب مسلم ریاستوں کی سطح پر اس کا کمزور تجربہ کیا گیا۔

نصب العین کا تعین پہلی شرط ہے اور ہم نصب العین کا تعین کرنے کی صلاحیت سے عاری ہو گئے ہیں۔ اس لیے نتیجہ نہیں آ سکا۔ اسلام ازم بطور نظریہ عوامی ازم (جمہوریت) کا پُر جوش داعی ہے۔ مسلم سیاسی نظام کی اصطلاح ''خلافت'' خالصتاً عوامی ازم کی عکاس رہی ہے۔ علوم القرآن کا حصہ بننے کے بعد عوامی ازم کے تناظر میں جموریت اور خلافت بھی زیر بحث آئیں گی اور عصرِ حاضر کے مسلمانوں کو بیدار کرنے اور معاشی لحاظ سے فیصلہ کرنے میں لائحہ عمل میسر آئے گا۔

آفاقی ازم (گلوبل ازم): دنیا نے انسانی تجربات و مشاہدات اور تدبیر و بصیرت کی بنا پر علاقائیت و محدودیت سے آفاقیت و عالمگیریت [۴۷] کا نظریہ اپنا لیا ہے۔ بطور نظریہ یہ انسانیت کا نصب العین ہے۔ بطور عمل چند بڑی قوتوں کا کاروباری و منافع پسندی کا منصوبہ ہو سکتا ہے' لیکن دنیا کے آگے بڑھنے کے لیے نظریہ کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور کسی مختصر محرک کی بھی۔ قرآن نے ''یَااَیُّھَاالنَّاسُ'' کے الفاظ سے بار بار آفاقی انسانوں کو متوجہ کیا اور آفاقی نظریہ دیا' جب کہ ''یَااَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' کی یہ ذمہ داری لگائی کہ قرآن کے آفاقی نظریہ کا اطلاق وفاق پر کریں۔ انسانیت کے نظریہ کو طاقت ور محرک بنانا وارثانِ قرآن اور حکماءِ نظریۂ انسانیت کی ذمہ داری ہے۔ کاروباری و منافع پسندی کا عمل بذاتِ خود غلط نظریہ نہیں' لیکن ''نظریۂ استحصال'' انسانیت کے نظریہ کی خدمت نہیں ہے۔ انسانیت کا نظریہ گلوبل ازم کے مضبوط محرک بننے سے انسانیت کو آگے بڑھنے کے مواقع فراہم کرے گا۔ گلوبل ازم کی یہ تحریک پرانی نہیں ہے' لیکن وارثانِ قرآن حسبِ سابق اس تازہ عمل سے بے نیاز ہیں' جیسے ان کا کردار ختم ہو چکا ہے۔ گلوبل ازم کو علوم القرآن کا قاعدہ قرار دینے سے کم از کم حاملِ فکرِ قرآن اس عمل میں شریک ہونے سے گریز تو نہیں کریں گے اور اپنا کچھ کردار ادا کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔

اسلام ازم: متحارب نظریات کے اس مناقشہ میں اسلام ازم بطور نظریہ شامل رہا ہے۔ کیپٹلزم کی پشت پناہی یورپ جبکہ سوشلزم و کمیونزم کے علمبردار روس و دوسری دنیا کے ممالک تھے' اور اسلام ازم کی پشت پناہی مسلم ممالک کی سطح پر کمزور ہونے کے باوجود اصولی موقف کو پذیرائی ملتی رہی ہے۔ آج اسلام ازم نظریاتی لحاظ سے ایک مضبوط نظریے کے طور پر اُبھرا ہے۔ یہ ایک بڑی پیش رفت ہے۔ کیپٹلزم کے پیچھے تین سپر پاورز اور سوشلزم و کمیونزم کے پیچھے دو سپر پاورز موجود تھیں۔ یہ نظریات مضبوط وسائل کے مالک تھے مگر بڑی طاقتوں کی پشت پناہی اور بے پناہ وسائل کے باوجود یہ نظریات اسلام ازم پر بطور نظریہ حاوی نہیں ہو سکے اور آج اسلام ازم کا نظریہ کمزور ریاستوں کے باوجود ایک اُمید کے طور پر انسانیت کا منشور بننے جا رہا ہے۔ مطالعہ قرآن کو مزید انسان نواز بنانے کے لیے بطور نظریہ اسلام ازم کو علوم القرآن کا حصہ بنانا مفید رہے گا۔

(۳) خارجی اثرات اور علمِ جدید

خارجی اثرات ایک ایسی حقیقت ہے جسے بروقت تسلیم نہ کرنے سے قومیں باقی رہنے اور آگے بڑھنے کی دوڑ میں پیچھے رہ جاتی ہیں۔ انسانی تمدن کی نمو میں عقیدہ یا نصب العین بنیادی محرک ہوتا ہے۔ دنیا کا نظام دنیا کی جغرافیائی حدود میں مختلف انسانوں کے رہن سہن سے وجود میں آتا ہے۔ مختلف خطوں میں انسان اپنے عقیدہ یا نصب العین کے تحت نمو پذیر ہوتے ہیں۔ جب وہ دوسرے انسانوں سے ملاپ کرتے ہیں تو رہنے کا الگ الگ

انداز جو سامنے آتا ہے اُسے تمدن کہا جاتا ہے۔ تمدن کا لفظ علمی اصطلاح کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ وقت کی رفتار کے ساتھ انسان کے رہن سہن میں جہاں ترقی ہوئی ہے وہاں مختلف خطوں میں بسنے والے انسانوں کے زیادہ ملاپ کی سہولتیں بھی پیدا ہوگئی ہیں۔ ملاپ کے اس عمل میں انسان نے ایک دوسرے کو متاثر کرنا شروع کیا۔ اس میں یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ ایک خطے کے تمدن' ایک عقیدہ کے لوگوں' ایک مذہب کے پیروکاروں یا ایک نصب العین سے محبت کرنے والوں نے دوسروں پر زیادہ اثرات مرتب کیے۔ ہر ایک فریق نے ایک دوسرے پر اثرات مرتب کیے ہیں۔ انہی کو یہاں ''خارجی اثرات'' کہا گیا ہے۔ مثال کے طور پر قرآنی فکر نے دنیا کے ہر تمدن پر مثبت اثرات مرتب کیے مگر اُمہ پر بھی اثرات مرتب ہوئے۔ منفی و مثبت اثرات کی بحث کا شاید یہاں موقع نہیں ہے' لیکن وہی علم و فکر اور تہذیب و تمدن اثر ڈالتا ہے جس میں سچ کا عنصر غالب ہوتا ہے۔ یہ امرِ واقع ہے کہ قرآن سچ ہی سچ ہے۔

خارجی ترقی و اثرات کے نمایاں نظریات کی قرآن حکیم کی روشنی میں چھان پھٹک ایک ضروری عمل ہوگا' لیکن کسی نظریہ پر حتمی تنقیح و تنقید درست انداز نہ ہوگا۔ قرآن حتمی و قطعی ہے مگر انسانی علوم و افکار اقدام و خطا کے انداز میں آگے بڑھتے ہیں اور اس عمل سے گزر کر خود انسان ہی حتمی و قطعی علوم و افکار کو پالیتا ہے۔ میل جول کی وسیع سہولتوں نے انسان کو ایک آفاقی یا عالمگیر دنیا کا انسان بنا دیا ہے۔ ہر مذہب' ہر نظریہ اور ہر نصب العین کا آخری مقصود حضرت انسان کی شعوری ترقی و نمو ہے۔ جو جتنا سچا ہوگا اور سچ پر مضبوط ہوگا آگے بڑھے گا۔ انسانی قافلہ رکنے والا نہیں ہے۔ اُمہ پر جو خارجی اثرات مرتب ہو چکے ہیں وہ حقیقت ہے۔ قوموں کی دوڑ میں اُمہ گزشتہ کئی صدیوں سے پیچھے ہے۔ قرآن کی معجزہ نما صورت اور محمد مصطفےٰ ﷺ سے عقیدت و محبت مسلمانوں میں ایک عظیم الشان حقیقت ہے۔ اسے حکمت عملی سے نمایاں کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ حکمت عملی ''علوم القرآن'' میں خارجی اثرات کے حامل افکار و نظریات کو حصہ بنا کر زیر بحث لانا ہے۔ اس موقف کی روشنی میں ''علوم القرآن'' کے تحت شمار کیے جانے والے افکار میں اضافہ کی تجویز ہے۔ یہ تجاویز علامہ محمد اقبال اور ڈاکٹر محمد رفیع الدین کے خصوصی حوالے سے ہیں۔ یہ تجاویز احقر کے پی ایچ ڈی کے مقالہ میں بھی زیر بحث آئی ہیں۔ یقیناً علامہ اقبال اور ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے مطالعہ قرآن کا جدید علوم و افکار سے ناطہ جوڑے رکھنے کی ترغیب دلائی ہے لیکن ''علوم القرآن'' کی اصطلاح کہیں استعمال نہیں کی۔ احقر کے نزدیک اُن کے افکار کو نظم دینے کے لیے کسی نئے قاعدہ کی ضرورت ہے یا قرآن کے سابقہ قاعدوں میں وسعت درکار ہے۔ تاریخی تسلسل اور علوم القرآن کے علمی ارتقاء کی روشنی میں یہ مناسب اقدام ہوگا کہ اس تسلسل کو قائم رکھتے ہوئے علوم القرآن کے قاعدوں میں جدید افکار کو شامل کر کے مطالعہ قرآن کے میدان کو مزید وسیع کریں اور خارجی اثرات کے حامل نظریات کی تہذیب و اصلاح کریں اور اُمہ کو بین الاقوامی طاقت و رحیثیت سے آگے بڑھنے کا فکری و عملی سامان مہیا کریں۔ ذیل کی چند معروضات اور ''علوم القرآن'' کے مزید قاعدوں کی نشاندہی اس بات کی غماز ہیں۔ اس ضمن میں قرآن حکیم کی درج ذیل آیت انتہائی توجہ کی حامل ہے:

﴿سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۭ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ

عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَہِیۡدٌ ﴿۵۳﴾ (حم السجدۃ)

''ہم عنقریب اُن کو اپنی نشانیاں (اسی) دنیا میں دکھائیں گے اور خود ان کی ذات میں بھی یہاں تک کہ اُن پر کھل کر رہے گا کہ یہ قرآن حق ہے۔ کیا آپ کے پروردگار کا یہ وصف کافی نہیں کہ وہ ہر چیز کا شاہد ہے!''(۷۳)

یہ آیت دنیا اور نفسِ انسانی میں تغیر و تبدیلی کے ایک عالمگیر مگر حرکت پذیر اصول کی نشاندہی کرتی ہے۔ اس تغیّر کے حرکت پذیر عالمگیر اصولوں کا اطلاق آفاق و انفس پر ہوتا ہے۔ علمِ جدید کی اصطلاحوں میں آفاق و انفس سے مراد طبیعیات' حیاتیات اور نفسیات ہیں۔ طبیعیات' حیاتیات اور نفسیات کے علوم میں جو ترقی ہوئی ہے اور جو دریافتیں ہونا باقی ہیں' وہ سب قرآن کا لفظی نہیں تو معنوی حصہ ضرور ہیں اور ہوں گی۔ یہ دریافتیں دراصل قرآن حکیم کی تعبیر و تشریح میں معاون ہیں اور قرآن حکیم کے الفاظ و معنی کی حقیقت پر شاہد ہیں۔ علم لوحِ محفوظ سے نازل ہوتا ہے۔ قرآن حکیم کے اندر علم کا خزانہ ہے۔ یہ علم وقت کے ساتھ نمودار ہو کر قرآن حکیم کے سچا علم ہونے پر دلیل بنتا جا رہا ہے۔ قرآن حکیم کے اندر ایک معنوی سمندر موجود ہے جو لامتناعی ہے۔ جیسے سورۃ الکہف' آیت ۱۰۹ میں سمندر کی مثال دی گئی ہے۔

ڈاکٹر محمد رفیع الدین کا موقف یہ ہے کہ:

''انفس و آفاق میں نمودار ہونے والی آیات (نشانیاں) بظاہر قرآن سے باہر ہوں گی لیکن اس کے باوجود وہ قرآن کی تشریح اس طرح کریں گی کہ قرآن کی صداقت پر شبہ ناممکن ہو جائے گا۔''(۷۴)

میرے تحقیقی مقالہ کا خصوصی حوالہ ڈاکٹر محمد رفیع الدین ہیں۔ اُن کے پورے لٹریچر میں علوم القرآن کا موضوع تو درکنار یہاں تک کہ لفظ علوم القرآن بھی استعمال نہیں ہوا' جبکہ اُن کا سارا زورِ قلم قرآن کے مطالعاتی افادے کے لیے علم جدید سے اخذ و استنباط اور ہم آہنگی پر ہے۔ قرآن اور علم جدید میں مطابقت کی علمی سعی اور ہم آہنگی کی کوشش باقاعدہ ایک تاریخ رکھتی ہے۔ اس کا آغاز فلسفہ یونان کی مسلم دنیا میں آمد اور پذیرائی ایک تاریخی حقیقت ہے۔ قرآنی علوم کو دلیل کی عوامی و علمی راہ پر ڈالنے کی کوشش فلسفہ یونان کے پس منظر میں سامنے آئی۔ اس کے دو اسباب تھے:

(ا) قرآن حکیم کی متعدد آیات مشاہدۂ فطرت' تجرباتِ زندگی اور عقلی تدبر و تفکر پر زور دیتی تھیں۔ گویا قرآن کی منشا کو مدنظر رکھا گیا۔ سورۃ البقرۃ کی آیات ۱۵۱ اور ۲۶۹ بطورِ مثال ہیں۔

(ب) فلسفہ یونان کو قرآن حکیم کی کسوٹی پر پرکھنے کی مضبوط روش قائم ہوئی۔ اس کام میں اسلامی فکر کے بڑے بڑے حکماء مثلاً الفارابی' ابن سینا' ابن ماجہ' ابن رشد' الغزالی اور متعدد شامل ہیں۔ اسی روش کو علامہ محمد اقبال کی اقتدا میں ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے آگے بڑھایا ہے اور عصر حاضر کے مغربی سائنسی نظریہ کو لیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''علم کے جس شعبہ کو ہم سائنس کہتے ہیں اس کا دوسرا نام علم کائنات ہے' جس میں انسان کا علم بھی شامل ہے۔ سائنسی علوم کی کلید کائنات کے قدرتی حالات و واقعات یا دوسرے لفظوں میں مظاہرِ قدرت کا مشاہدہ ہے۔''(۷۵)

مطالعہ قرآن کے پس منظر میں علامہ اقبال اور ڈاکٹر رفیع الدین کا سارا زور اس دعوت پر ہے کہ مشاہدۂ

فطرت و تجرباتِ زندگی اور پھر ان پر عقلی غور وفکر کا منظم علم قرآن سے غیر نہیں ہے' مگر وہ اس کے طریق کار کو زیر بحث نہیں لائے۔ اُن امور کی نشاندہی نہیں کی کہ کن قواعد وضوابط کے تحت مطالعہ قرآن اور علم جدید کو ہم آہنگ کیا جائے یا مطابقت پیدا کی جائے یا قرآن کی کسوٹی پر پرکھا جائے۔ البتہ محمد رفیع الدین نے بہت تفصیل کے ساتھ قرآن اور علم جدید میں مطابقت پر بحث کی ہے۔ مجھے یہ سعادت حاصل ہوئی کہ میں نے اُن کے افکار کو اپنے تجربات ومشاہدات اور غور وفکر کا محور بنایا۔ مجھے از حد مسرّت حاصل ہوئی ہے کہ اُن کے افکار کو کھنگالنے یا تحقیق وتجزیہ کے بعد وہ کلید دریافت کرنے میں کامیاب ہوگیا ہوں جو شاید اُن کی تمنا تھی۔ یہ حقیقت ہے کہ ڈاکٹر محمد رفیع الدین' علامہ اقبال کی فکر کے مستند شارح ہیں اور اس بات کا اظہار انہوں نے جابجا اپنی تحریروں میں کیا ہے' جبکہ علامہ اقبال کے علماء ومحققین اُن کو علامہ کا معنوی شاگرد قرار دے چکے ہیں' اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ مجھے محمد رفیع الدین کا معنوی شاگرد ہونے کا اعزاز حاصل ہوا ہے' ایک اور واسطے سے بھی مجھے علامہ اقبال سے فیض حاصل کرنے کا موقع ملا ہے اور وہ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی نقشبندی تھے۔ مجھے براہِ راست اُن سے کسبِ فیض حاصل کرنے کا شرف حاصل ہوا اور اُن کو علامہ اقبال کا براہِ راست شاگرد ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔

وہ کلید' جو راقم کے غور وفکر کا نتیجہ ہے اور جو یہاں علماء وحکماء کے لیے دعوتِ فکر ہے وہ یہ ہے کہ قرآن کے مطالعہ' قرآن کی تفسیر' قرآن کی آیات پر تدبر اور قرآن سے فکری اخذ واستنباط کے لیے گزشتہ چودہ صدیوں سے ایک ضابطہ مقرر ہے' قواعد وضوابط مرتب شدہ ہیں۔ انہیں قرآنی فکر کے پس منظر میں ''علوم القرآن'' کہتے ہیں۔ ظاہر ہے یہاں میرا مطلب علم یا فکر قرآن نہیں ہے بلکہ وہ مقرر شدہ ضابطے ہیں جنہیں اصطلاحاً ''علوم القرآن'' کہتے ہیں۔ یعنی ان ضابطوں اور قاعدوں کو مدنظر رکھتے ہوئے قرآن کا مطالعہ وتفسیر اور تدبر روا رکھا گیا ہے اور روا رکھا جارہا ہے۔ تغیر زمان کی مناسبت سے ان قاعدوں اور ضابطوں میں توسیع درکار ہے۔ یہ میرا موقف ہے۔

یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ مطالعہ قرآن کے ضمن میں قواعد وضوابط یک بارگی مرتب نہیں ہوئے بلکہ جوں جوں مسلمانوں کا پھیلاؤ ہوتا گیا تو اُن علاقوں کے علمی ذخیرے' تمدنی روابط اور تہذیبی نوعیت کے مطابق ان میں اضافہ ہوتا رہا' اور یہ اضافہ گزشتہ صدی میں ہندوستان کے مسلمانوں کے اندر جنم لینے والی تحریکِ قرآن کے تحت بھی سامنے آیا' جبکہ اس خصوصی علم کی مناسبت سے شاہ ولی اللہ کی ''الفوز الکبیر'' کو بڑی اہمیت حاصل ہوئی ہے۔ غالباً یہ آخری منظم کوشش تھی۔

راقم الحروف کی علماء وحکماء کے لیے دعوتِ فکر یہ ہے کہ ''علوم القرآن'' میں ''وقت'' کی مناسبت سے اضافہ وتبدیلی ہوتی رہی ہے جس کا مقصد ومنشأ ہمیشہ قرآنی فکر کا اخذ وحصول رہا ہے۔ آج کا دور علمی طور پر زیادہ منظم اور تیز رفتار ہو چکا ہے۔ اثرات تیزی سے مرتب ہوتے ہیں اور آگے بڑھ جاتے ہیں۔ علوم القرآن میں انفرادی مگر خاموش اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ ہر مفسر مطالعہ قرآن کے سمندر سے نئی بات ضرور سامنے لاتا ہے' بلکہ ہر مفسّر کسی خاص علمی یا فکری پہلو کو مدنظر رکھ کر تفسیر کرتا ہے تاکہ قرآنی فکر مزید اجاگر ہو۔ یہ سلسلہ جاری ہے اور جاری رہے گا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ علماء وحکماء کی ایک جماعت اس کام پر مامور ہو اور ''وقت وزمانہ'' کی رفتار کے مطابق علوم القرآن پر نظر رکھے تاکہ قرآن کا عام قاری تذبذب کے بجائے اطمینان سے مطالعہ قرآن

کرے۔ مطالعہ قرآن کے مقاصد کو مختصراً یوں بیان کیا جاسکتا ہے:

(ا) شعورِ انسانی کی نمو

(ب) شعورِ نبوت کا ارتقاء

(ج) شعورِ حقیقی کا ادراک

اسی طرح علم جدید کے مقاصد کو یوں بیان کیا جاسکتا ہے:

(ا) علمِ طبیعیات میں انسانی ترقی

(ب) علمِ حیاتیات میں انسانی ترقی

(ج) علمِ نفسیات میں انسانی کمال

ہم اگر مقاصد قرآنی اور مقاصد علمِ جدید کا تقابلی مطالعہ کریں تو صورت یہ بنتی ہے کہ قرآن کے مقاصد میں اول و آخر ایک حقیقی نصب العین کا حصول ہے۔ اس کے لیے ابتدائی اور آخری کردار حضرت انسان کو مؤثر بنانے کا واحد ذریعہ علم ہے اور شعورِ نبوت کی ابتدا' ارتقا اور اختتام محض حضرت انسان کو علم اور شعور سے بہرہ ور کرنا تھا تاکہ وہ شعورِ حقیقی کی معرفت حاصل کر سکے۔ اسے مذہبی نظریہ بھی کہا جاسکتا ہے اور اسلام کا بھی یہی نظریہ ہے۔

دوسری طرف علم جدید کا بھی ابتدائی اور آخری کردار حضرت انسان ہے۔ انسان نے جو ماضی سے سیکھا' اُس کو ترقی و وسعت دی۔ علم طبیعیات' علم حیاتیات اور علم نفسیات میں انسان کی سوجھ بوجھ میں اضافہ خدا سے بغاوت نہیں بلکہ کائنات میں غور و فکر کرنے کا کم از کم قرآنی حکم واضح ہے اور دوسرے مذاہب کو اس پر اعتراض نہیں ہے۔ یہ تمام علوم شعورِ انسانی کی ترقی و نمو کا حصہ ہیں اور قرآن کے مقاصد کے خلاف نہیں' بلکہ انسانی تجربات و مشاہدات کی غلطیوں اور پھر درستگیوں کا عمل ہے۔

علم جدید کے تمام نمایاں اور مؤثر نظریات علم جدید کے مقاصد ہیں۔ یہ علوم بالکل نئے نہیں ہیں' تاریخ میں کہیں نہ کہیں اور کسی نہ کسی سطح پر موجود رہے ہیں۔ گزشتہ چند صدیوں میں ان کی تہذیب جدید ہوئی۔ انسان نے عالیشان ترقی کی۔ اسلامی تاریخ میں بھی یہ علوم زیر بحث رہے ہیں۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ان علوم کی بنیادیں مسلمانوں نے قرآنی پس منظر میں رکھیں اور آج کے انسان نے ان علوم کی نمو کو سائنسی استدلال دے کر تہذیبِ جدید کی بنیاد ڈالی اور انسانوں کے لیے زیادہ مفید بنانے کی کامیاب کوشش کی۔ البتہ وقت کے ساتھ علوم کا ارتقاء ایک بدیہی امر ہے۔ اس لیے یہ ارتقا آئندہ بھی جاری رہے گا۔ جس طرح گزشتہ صدیوں میں کئی علوم کو علوم القرآن کے قواعد و ضوابط کا حصہ بنایا گیا اور بطور قواعد و ضوابط وہ علوم القرآن کا آج بھی حصہ ہیں مگر ضروری نہیں ہے کہ وہ آج بھی پہلے کی طرح قابلِ استعمال یا قابلِ بحث ہوں۔

علم جدید کی رو سے دنیا بحیثیت مجموعی دور حاضر میں تیزی سے آگے بڑھی ہے' لیکن گزشتہ چند صدیوں میں اُمت کا کردار نمایاں نہیں رہا ہے۔ اس کا بنیادی سبب علم جدید سے غیریت اور مخاصمت ہے۔ منظر یہ سامنے آیا کہ علم جدید کو کفر کے کھاتے میں ڈال دیا گیا اور ''وقت'' کے ''مسلمان'' آگے بڑھنے کے لیے درکار فکر' عمل اور یقین کو قرآنی علوم سے راہنمائی و تقویت دینے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اس تفاوت نے قرآنی علم پر یقین کو زائل

کیا اور اس موقف کو تقویت ملنے لگی کہ علم جدید اب دنیا اور انسان کے تمام چیلنجز اور مسائل کو حل کرنے کی استعداد حاصل کر بیٹھا ہے۔

زوال و شکست آمادگی کے باوجود اُمت کا قرآن اور شارحِ قرآن ﷺ پر یقین برقرار رہا ہے۔ یہ یقین وہ دولت و قوت ہے جو اُمت کا سرمایہ ہے اور جو مستقبل قریب میں انسان کو آگے بڑھنے کی تازہ اُمنگ مہیا کرے گی۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے علم جدید کے غالب اور مؤثر نظریات کو قرآن کی کسوٹی پر پرکھا ہے اور گراں قدر نکات و افکار سامنے لائے ہیں۔ دورانِ مطالعہ و تحقیق یہ بات سامنے آئی ہے کہ علوم القرآن اور علوم الانسان کی اصطلاحوں کو اختیار کر کے اگر علم جدید کو زیر بحث لایا جائے تو محمد رفیع الدین کے کام کو ایک نئی جہت بھی دستیاب ہو جائے گی اور علم جدید کے حوالے سے جو تحفظات مدتِ مدید سے اُمت کے اذہان میں جاگزیں ہو چکے ہیں' اس منفی رجحان کو کم یا ختم کیا جا سکے گا۔

یہ امر طے شدہ ہے کہ علم جدید قطعی باطل ہے اور نہ قطعی مثبت۔ یہ کہنا بھی درست نہ ہوگا کہ علم جدید مذہبی بغاوت کے نتیجے میں پیدا ہوا ہے۔ علوم چاہے مذہبی متصور ہوں یا غیر مذہبی' بنیادی طور پر انسانی کردار و بصیرت ہی کے ذریعے زبان و اظہار پاتے ہیں۔ اس لیے اُمت کے عروج و زوال کی منزلوں سے گزرتے ہوئے جو علوم و افکار آج کے انسان تک پہنچے ہیں' یقیناً قرآن و حدیث سے بھی ماخوذ ہیں' لیکن اخذ و استنباط کا اختیار تو اُمت کے بڑے انسانوں کے پاس ہی رہا ہے۔ انسانی سماج کی ترقی اور اُس کے آگے بڑھنے کی رہنمائی کے باوصف ہر صدی دو صدی بعد قرآن اور اُس کے علوم کی تعبیر و تشریح وقت کی ضرورتوں کے مطابق ہوتی رہی ہے۔

ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے بیان کیا ہے کہ نبوت کے علاوہ بھی انسان کو ایک ایسا راہ نما دیا گیا ہے جو مستقل طور پر انسان کے پاس رہتا ہے اور یہ انسان کی فطرت کا وہ جذبہ حسن ہے جو اپنے اظہار و اطمینان کے کمال کو پہنچ کر ایک زندہ و متکلم قرآن کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ متکلمِ قرآن جیسے انسانی کردار کی عدم موجودگی میں علوم القرآن کو داخلی معنوں تک محدود کر دیا گیا۔ قرآن سے اخذ و استنباط متکلمِ قرآن کی حیثیت اختیار کرنے والا انسان (مؤمن) کرتا ہے اور ان کا اطلاق انسان اور اُس کے سماج پر ہوتا ہے اور مثبت اور خوف و غم سے پاک نتائج ہی کسوٹی ہوتے ہیں۔

علوم الانسان' انسان کی بصیرت کا غماز' فکر کا حاصل' عمل کا تجرباتی طریقہ کار اور پھر مثبت و منفی نتائج کی کسوٹی ہوتے ہیں۔ علم وحی و القاء' اقدام و خطا اور عمل و نتائج کا ایک مسلسل ارتقاء علم انسانی ہے۔ انسان وحی سے اخذ و استنباط میں غلطی کرتا ہے تو دوسرا متکلم قرآن اُس کو رفع کرتا ہے۔ تجربہ و عمل میں بھی انسان ہی درست سمت کا تعین کرتا ہے' اور اگر غلطی کرتا ہے تو اگلے موڑ پر انسان ہی اُس غلطی کو درست کرتا ہے' کیونکہ انسانی فطرت زیادہ دیر غلطی پر کاربند نہیں رہ سکتی۔

علومِ انسانی کو منشائے خداوندی کے خلاف باور نہیں کیا جا سکتا۔ علوم انسانی میں کسی خاص وقت کا انسانی عمل غلط ہو کر ایک تجربہ کا موجب بنتا ہے تو یہ تجربہ ہی انسان کو حق کی طرف لے جاتا ہے۔ مسلم ادب میں علوم القرآن بھی انسان (مؤمن) کے اخذ و استنباط کی قوتِ فکر کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ انسان ہی اُن پر عمل پیرا ہو کر تجربے

سے گزرتے ہیں اور ایک سماج میں اس کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ مذکورہ اخذ شدہ فکر صدیوں نتائج دے۔ جب وہ نتائج دینا بند کر دیتی ہے تو اُس وقت کے بطن سے دوسرے کئی متکلمِ قرآن جنم لیتے ہیں اور یوں یہ سلسلہ رُکتا نہیں۔ اُمت میں یہ سلسلہ رکا اور نتائج آنے بند ہو گئے تو اب پھر متکلمِ قرآن کی ضرورت ہے۔

قرآن وحی الٰہی ہے۔ یہ وحی سلسلہ نبوت کے آخری پیغمبر محمد مصطفےٰ ﷺ کے ذریعے انسان تک پہنچی۔ کئی صدیوں کا سفر قرآنی وحی اور خاتم النبیین ﷺ کی حقانیت، عظمت اور مقام کو جھٹلا نہیں پایا ہے اور نہ امکان وخطا کی کوئی دلیل لا سکا ہے۔ وحی و رسول ﷺ سے خطا کا گمان ممکن نہیں ہے۔ وحی وشارحِ وحی ﷺ سے علوم کے اخذ واستنباط کا سلسلہ علماء وحکماء کے ذریعے آگے بڑھتا ہے تو خطا کا امکان ممکن ہے۔ وحی وشارحِ وحی ﷺ کے اقدام میں خطا نہیں، خطا کا امکان تب ہوتا ہے جب یہ انسانی اخذ واستنباط اور تجربہ وعمل کے دائرے میں آجاتے ہیں۔ علوم القرآن اور علوم الانسان کی درمیانی کڑی اِنسانی کردار اور اُس کے بصیرت کو نظر انداز کرنے سے دونوں میں مطابقت کے بجائے تفاوت نظر آنے لگا ہے۔ مسلم ادب میں علوم القرآن میں انسانی اخذ واستنباط کی استعداد پوری طرح استعمال ہونے کے باوجود اسے بطور اصول تسلیم کرنے میں لیت ولعل سے کام لیا جاتا ہے، جبکہ دوسری طرف علم جدید میں مذہبی وتاریخی علوم کی روایت سے اخذ واستنباط کے باوجود اُسے محض محسوسات کا نتیجہ قرار دے کر مذہبی وتاریخی روایت کو تسلیم کرنے سے اجتناب برتا جاتا ہے۔ یوں علوم القرآن اور علوم الانسان کے درمیان امتیاز وتفاوت کی لکیر کو طول دیا جاتا ہے۔ سابقہ انبیاء کی شریعتوں کا حاصل ہو یا علوم القرآن ہوں، ان کو انسان کی زبان واظہار بن کر علوم الانسان بننا ہوتا ہے۔ اس عمل سے انسان منظم فکر پاتا ہے اور عملی مظاہر سے وحی کے منشا کو آگے بڑھاتا ہے۔ محمد رفیع الدین نے اس بات کو ان لفظوں میں بیان کیا ہے:

> ''علمِ صداقت کا القا ایک قسم کی وحی ہے۔ پیغمبر کی وحی اور غیر معمولی ذہانت کے انسان کی وحی دونوں ایک دوسرے کے مخالف نہیں بلکہ ممد ومعاون ہیں، کیونکہ دونوں کا مقصد ایک ہی ہے، یعنی ابدی سچائیوں کی تلاش۔''(۷۶)

بیان کردہ حقائق ونظائر کی روشنی میں محمد رفیع الدین کا موقف یہ ابھرتا ہوا سامنے آتا ہے کہ مطالعہ قرآن کے اصول وضوابط میں تبدیلی لانے کی ضرورت آن پڑی ہے۔ ''وقت'' کے مؤثر اور غالب نظریات کا محاکمہ کیے بغیر قرآن کی تعبیر وتشریح مؤثر نہیں ہو سکتی اور جدید نظریات پر عمل سے جنم لینے والے ترقی وتوانائی کے مسلم وغیر مسلم معاشرے پر اثرات کو پیش نظر رکھے بغیر مطالعہ قرآن انسانی مسائل حل کرنے میں مفید نہیں ہو پا رہا۔ اس لیے مطالعہ قرآن کے لیے نئی جہتوں پر غور وفکر کی ضرورت ہے۔ اس ضمن میں علم جدید کے چند غالب ومؤثر نظریات کو زیر بحث لایا گیا ہے جو کہ علمیات میں مسلّمات کی صورت اختیار کر چکے ہیں۔ علمیات میں مسلّمات ''وقت'' کی زبان واسلوب ہوتی ہیں اس لیے مطالعہ قرآن ''وقت'' کی زبان واسلوب میں مطلوب ہے۔

راقم الحروف نے بطور تجویز مزید سولہ ایسے ضابطے تجویز کیے ہیں جنہیں ڈاکٹر محمد رفیع الدین اپنے انداز سے زیر بحث لائے ہیں۔ یہ سارے علم جدید کے نظریات نہیں بلکہ ان میں کئی ایسے نکات ہیں جن کی مطالعہ قرآن کے لیے تہذیب جدید درکار ہے۔ مگر میرے نزدیک ان سولہ نکات کو ''علوم القرآن'' کے قواعد کا حصہ بنا دیا جائے تو

مطالعہ قرآن کے دوران علم جدید اور عصر حاضر قاری کے مدنظر رہ سکیں گے اور اخذ ہونے والی فکرِ قرآن جدید انسان کے لیے زیادہ مؤثر ثابت ہوگی اور یہی قرآن کا منشا ہے۔ یہی آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کا قرآنی راستہ ہے۔

ارتقاء: ڈارون کا نظریہ ارتقاء حیاتیات کے میدان سے علمیات میں اپنی مسلمیت منوا چکا ہے۔ حیاتیات میں اس نظریے پر تنقید زیادہ رہی ہے اور اس کی تہذیب واصلاح کا بھی ایک ارتقاء ہوا ہے۔ محمد رفیع الدین نے سببِ ارتقاء ونتائجِ ارتقاء کو قرآنی دلائل سے مسترد کیا ہے' حقیقت ارتقاء کے عمومی علمی تصور کو قرآن سے متضاد قرار نہیں دیا ہے۔ البتہ علوم الانسان کے ناطے نظریہ ارتقاء کی خود انسانوں نے بتدریج تہذیب واصلاح کی ہے۔ تہذیب واصلاح کا یہ سلسلہ رکا نہیں ہے۔ مطالعہ قرآن کو ''وقت'' کے علمی منہاج کی سطح پر لانے میں مضائقہ نہیں ہے اور نظریہ ارتقاء کو علوم القرآن کے تحت لانے سے علم القرآن کی جہاں ایک نئی جہت سامنے آئے گی وہاں نظریہ ارتقاء کی قرآنی نقطہ نگاہ سے تہذیب واصلاح بھی ہو جائے گی اور یوں قرآن ''وقت'' کے انسان کے علمی منہاج کی ہدایت وراہنمائی کا موجب بن جائے گا۔

جبلّت: جبلت کسی خاص سمت میں عمل کرنے کا ایک فطری حیاتیاتی دباؤ ہے جس کا سامان قدرت نے جسم ودماغ کی مادی ساخت میں رکھا ہے۔ جبلت افعالِ حیوانی اور اعمالِ انسان کی کامل قوتِ محرکہ ہے اور سب حرکات وسکناتِ حیوانی وانسانی اس کے ماتحت ہیں۔ بنیادی طور پر یہ حیوان وانسان کی عضویاتی حرکات وافعال کا سائنسی تجزیہ ہے۔ قرآن میں فطرت کا لفظ استعمال ہوا ہے جو انسان کے لیے مخصوص ہے۔ محمد رفیع الدین نے میگڈوگل کے نظریہ جبلت کو ایک مؤثر وجدید علمی انکشاف کے طور پر لیا ہے اور یہ باور کرایا ہے کہ مسلم ادب میں فطرت وجبلت یکسی قدر مختلف معنوں میں زیر بحث رہے ہیں۔ میکڈوگل نے چودہ جبلّتوں کا تذکرہ کیا ہے۔ دوسرا اُس کے نزدیک حیوان اور انسان کی جبلتوں میں فرق نہیں ہے۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین حیوان اور انسان کی سب جبلتوں کو ایک قرار نہیں دیتے۔ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ جبلّتیں انسان وحیوان میں موجود ہیں مگر اس سے اتفاق نہیں کرتے کہ ان کا عمل ایک جیسا ہے۔ یہ جبلّتیں انسان میں مختلف انداز سے کام کرتی ہیں۔ دوسرا اُن کا اس سے بھی اتفاق نہیں کہ محض جبلّتیں ہی قوتِ محرکہ ہیں۔ ان چودہ جبلّتوں کو حیوانی وانسانی حیاتیاتی بدن کے محرکات قرار دیا گیا ہے۔ یہ سائنسی تحقیق ہے' اس میں کمی بیشی ممکن ہے۔ سوال یہ ہے کہ قوتِ محرکہ محض ان جبلتوں کو قرار دینے سے حیات کا مادی تصور سچ ثابت ہوتا ہے جب کہ کائنات کا مادی تصور آہستہ آہستہ دم توڑ رہا ہے۔ حیوان جبلّتوں کے تحت افعال پر مجبور ہے مگر یہ بات انسان پر لاگو نہیں ہوتی۔ انسان کے اندر ایک فطرتی تڑپ وتجسّس موجود ہے جسے محمد رفیع الدین آدرش یا نصب العین کہتے ہیں۔ یہ آدرش یا نصب العین خدا کے حسن کا بے پناہ جذبہ ہے جو بہرحال مادی نہیں ہے۔

لاشعور: حیاتیات کے میدان میں حیوان وانسان کی فعلیت سے متعلق سائنسی تحقیق میں فرائیڈ نے ''لاشعور'' کی دریافت کی۔ شعور' لاشعور اور فوق الشعور کے تحت انسانی دماغ کی فعالیت کی درجہ بندی کی ہے۔ قرآن حکیم میں فطرت اور نفس کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جو انسانی فعالیت کے پس پردہ حیاتیاتی وروحانی عمل کو بیان کرتے ہیں۔ محمد رفیع الدین قرآن حکیم کے پس منظر میں ان سائنسی اصطلاحات یا درجہ بندی کو متعارض قرار نہیں دیتے

ہیں۔فرائیڈ لاشعور کو تمام انسانی اعمال کا منبع قرار دیتا ہے اور یہ کہ لاشعور میں جنسیت کے محرک کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔فرائیڈ کا یہ موقف قابلِ اعتراض رہا ہے کہ انسانی شعور کی فعلیت محض لاشعور سے جنسیت کا پیغام ہے۔ انسان کے اندر جنسی جذبے سے قرآن کو انکار نہیں' بلکہ قرآن نے جنسی جذبے کی سلیقہ بندی پر بہت زور دیا ہے اور متعدد آیات وارد ہوئی ہیں' لیکن یہ درست نہیں کہ سارے اعمالِ انسانی کی قوتِ محرکہ جنسی جذبہ ہے۔یہ ایک محرک کے طور پر تسلیم ہوتا ہے' مگر صرف یہی ایک محرک قرار دینا قابل اعتراض ٹھہرتا ہے۔قرآن کے نزدیک یہ دراصل خدا کو پانے کے لیے جذبہ عبادت ہے جو انسان کی فطرت میں رکھا گیا ہے۔جنسی جذبے کا نسل انسانی کے آگے بڑھنے اور تحفظ سے متعلق ہے' اور یہ درست ہے کہ نسلی تحفظ کا جذبہ فطری ہے مگر آگے بڑھنے اور تحفظ نسل کا جذبہ بذاتِ خود مقصد نہیں ہوسکتا۔مقصد کے حصول کے یہ ذرائع ہیں' بذاتِ خود مقصد نہیں ہے۔شعور و لاشعور کی سائنسی بحث قرآن حکیم کی تعبیر و تشریح کے ذیل میں علمی منہاج کے طور پر بیان کی جاسکتی ہے۔

وطنیت: نکولو مکیاولی کی کتاب ''پرنس'' نے مغرب کے ریاستی ڈھانچے' حکمرانی کے انداز اور سیاسی فکر پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔علاقائی و نسلی و لسانی جنگوں کے دوران لکھی جانے والی اس کتاب نے علاقائی' نسلی و لسانی ریاستوں کو جواز یت بخشی۔مغرب کے بعد ساری دنیا میں یہ روش عام ہوئی۔یہاں تک کہ اُمت اپنی عظمت اور اتحاد کے نشان ''خلافت'' سے محروم ہوگئی۔مغرب نے بلاشک وشبہ نئے ریاستی ڈھانچوں' اندازِ حکمرانی اور سیاسی فکر (جمہوریت) کے بل بوتے پر انسان کو مادی ترقی کے نصف النہار پر پہنچا دیا۔محمد رفیع الدین نے جمہوریت کے ثمرات میں سے انسان کے محدود تصور کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے کہ انسان کا آدرش جب محدود علاقوں' محدود نسلوں اور محدود زبانوں کی حدود میں مقید ہو جاتا ہے تو اس سے دوسرے انسانوں کے خلاف نفرت' بغض اور عناد پروان چڑھتا ہے۔قرآن سب انسانوں کے ایک خدا کی بنیاد پر رہ کر بھائی چارہ اور محبت کی فکر دیتا ہے۔اس لیے ریاستی' حکومتی اور سیاسی امور میں قرآن کے بنیادی اصولوں کی بنیاد پر انسان ساز و انسان دوست فکر کو نمایاں کرنے کی ضرورت ہے۔مغرب ریاستی امور میں عوامی شرکت کا جمہوری تصور اپنانے کی راہ پر ہے۔مسلم دنیا ریاستی' حکومتی اور سیاسی میدان میں خلافت کے بعد اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہی ہے۔ قرآن ریاستی امور میں نصب العین کے تعین اور اُس کے حصول کے لیے انسان ساز اور انسان دوست فکر اور لائحہ عمل رکھتا ہے۔اس فکر و لائحہ عمل کو عصر حاضر کے انسان کی سمجھ کی سطح پر لانا ہی قرآن کی کامیاب تعبیر و تشریح ہوگی۔

فلسفہ: فلسفہ علمی میدان میں انسانی عقل و وجدان کا نام ہے جو وحی' مظاہر اور تجربات کے نتائج سے مرتب ہوتا چلا آرہا ہے۔دوسرے لفظوں میں فلسفہ ایک منظم علم ہے۔علوم القرآن اور علوم الانسان کی الگ الگ توضیح کا مقصد محض یہ ہے کہ وحی و صحیفہ جات سے انسان نے اپنی عقل و وجدان سے علم کی صورت میں جو سمجھا' جو اخذ کیا' جیسے تدوین و ترتیب سے گزرا' وہ علوم الانسان میں شمار ہوتا ہے تاکہ انسانی خطا و درستگی کا عمل وحی و صحیفہ جات سے الگ رہے۔اسی عمل کے نتائج کو فلسفہ کہا جاتا ہے۔اصطلاحاً فلسفہ کسی نہ کسی صورت میں نزولِ قرآن سے پہلے موجود تھا۔اس کا قدیم مسکن یونان شمار ہوتا ہے۔وحی کی آمد اور آپ ﷺ کی موجودگی میں عربوں کی زندگی کو نئے نصب العین سے آشنا کرنے اور اُس پر کاربند ہونے کے لیے ابتداءً عقل و فلسفہ کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی' اور جب

آپ ﷺ دنیا میں نہ رہے اور مسلمانوں کو اپنی عقل وبصیرت کے استعمال کی ضرورت محسوس ہوئی تو فلسفۂ یونان بلادِ عرب میں داخل ہو کر تذبذب کا باعث بن رہا تھا۔ مسلمانوں کا اس سے رویہ مخاصمانہ طور پر سامنے آیا اور یہ روایت دورِ جدید تک آ پہنچی ہے۔ دورِ جدید میں علم کی ترقی نے اسرارِ کائنات وانسان کے کئی نئے دریچے کھول دیے ہیں' اور اُمت کے علماء وحکماء نے اس عہد میں بیٹھ کر مطالعہ قرآن شروع کیا تو قرآن نے علم جدید کی موجودہ ترقی کے واضح اشارے بیان کر رکھے ہیں۔ علم ترقی کر کے فلسفہ کی تنظیم حاصل کرتا ہے تو قرآن کے خلاف نہیں جاتا۔ قرآن' قرآن ہے' فلسفہ' فلسفہ ہے۔ فلسفہ ایک علمی ارتقاء حاصل کر کے تنظیمی صورت اختیار کرتا ہے۔ یوں یہ علوم الانسان کی ایک منظم شکل کا روپ دھارتا ہے۔

سائنس: قرآن' سائنس کے متضاد ہے۔ یہ تصور اُمت کے دورِ زوال میں ترقی کر گیا اور اُمت سائنسی سرگرمیوں سے لاتعلق ہوگئی' البتہ سائنسی ایجادات کے استعمال سے لاتعلق نہ رہ سکی اور عجیب مزاحمتی کشمکش نے جنم لیا۔ تضاد کا یہ تصور عیسائیت و یہودیت کا سائنس کے خلاف جدوجہد سے مستعار ہے۔ قرآن اور شارحِ قرآن محمد ﷺ کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ اسلام کا مقصود انسان کو بلند سے بلند تر سطح پر لے جانا ہے۔ قرآن کسی علمی سرگرمی سے نہیں روکتا' کیونکہ ہر علمی سرگرمی کے مثبت نتائج قرآن کا لفظی یا معنوی حصہ ہوں گے۔ محمد رفیع الدین نے قرآن اور سائنس کے درمیان تضاد کے تصور کو درست قرار نہیں دیا اور دلائل سے ثابت کرنے کی کوشش کی کہ موجودہ سائنسی ایجادات کس طرح قرآن کا تشریحی مواد ہے۔ سائنسی علم کی بنیاد تجربے ومشاہدے پر ہے اور یہ تجربہ ومشاہدہ حواسِ خمسہ پر ہے۔ یوں یہ قرآن کے ایک جزوی علم کا حصہ ہے۔ سائنس کے تین عناصر ہیں: حسی علم' فلسفہ اور انسان۔ علم کا منبع لوحِ محفوظ ہے' اس لیے سارا سچا علم قرآنی ہے۔ جو علم انسان کے لیے مفید نہیں ہے وہ قرآنی علم نہیں ہے اور اس غیر مفید علم کی پہچان بالآخر انسان ہی اپنی عقل وبصیرت اور تجربے ومشاہدے سے حاصل کرے گا۔

علم الکلام: علم الکلام مسلم ادب کی ایک مستعمل اصطلاح ہے۔ بنیادی عقائد کو علمی استدلال سے ثابت کرنے کی یہ سرگرمیاں آغازِ اسلام سے ہی شروع ہوگئی تھیں۔ اب جبکہ مادہ کی بنیاد پر سائنس اور فلسفہ کی ترقی وتنظیم نے پورے مذہب کو مسترد کر دیا تو علم الکلام کا دائرہ بھی وسیع ہوگیا اور بات عقیدہ کے دلائل سے پورے مذہب کے ڈھانچے پر آ گئی۔ سائنس وفلسفہ سے قرآن کے تضاد کی سوچ اُمت میں اس اشکال کی وجہ سے پیدا ہوئی کہ ایک تو کلیسا نے سائنس وفلسفہ کو مسترد کیا۔ دوسری طرف سائنس وفلسفہ نے مذہب کو صرف مسترد نہیں کیا' بلکہ اقدامات کیے اور انسان کو موروثی غیر حقیقی مذہبی گرفت سے آزاد کیا اور انسان کے لیے آسانیاں اور آسودگیاں پیدا کر کے مذہبی حمایت کا قلع قمع کر دیا۔ اُمت پہلے سے زوال آمادہ تھی اور مذہبی بنیادوں پر قائم حکمرانی کے انداز غیر مذہبی تھے۔ مغرب نے مذہب کو مسترد کیا تو متبادل بھی دیا اور نتائج بھی دیے۔ اُمت نے مذہب کو مسترد نہیں کیا مگر نتیجہ بھی نہ دے سکے۔ محمد رفیع الدین نے علم الکلام کو جدید علم کی دریافتوں اور تقاضوں کی روشنی میں عقلی اور منطقی استدلال دیا اور جدید علوم سے آگاہی رکھنے والوں کے لیے قرآن کے تحت علم الکلام کو سمجھنے میں آسانی پیدا کی ہے۔ مبدأ کائنات' تصورِ کائنات اور مقاصد کائنات کی تلاش وجستجو انسان کی فطرت ہے اور قرآن تدبر وتفکر سے

تلاش وجستجو کی بھرپور حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

ارتقائی جہت: ارتقائی جہت کا علمی منہاج واصول پر مطالعۂ قرآن علم جدید کے چوٹی کے اذہان کو متوجہ کرنے کا سبب بن سکتا ہے کہ قرآن ایک زندہ کتاب ہے اور محمد ﷺ ارتقاءِ نبوت کی آخری کڑی ہیں۔ نظریۂ ارتقاء بنیادی طور پر حیاتیات سے متعلق تھا مگر ڈارون اور اُس کے پیشروؤں نے اسے ایک مؤثر علمی آلہ یا منہاج میں ڈھال کر ماضی کے ہر طرح کے نظریات کی کاٹ کا اہتمام کیا اور کامیاب کوشش سے زندگی کے تمام شعبوں میں گہرے اثرات مرتب کیے۔ محمد رفیع الدین نے قرآن مجید کے جدید مطالعہ کے پس منظر میں ارتقاء کے علمی منہاج کو اختیار کرنے میں اسے غیر مناسب خیال نہیں کیا ہے۔

حرکت: خدا' کائنات اور انسان کا محور ہے۔ حرکت' زمان اور مکان کی بحث سے خدا اور کائنات کا علم حاصل ہوتا ہے۔ یہ علمی شعبہ معرضِ ارتقاء میں رہا ہے۔ فلسفہ منطق کی مجرد زبان کا علم ہے۔ قرآن کا خدا' کائنات اور انسان کے بارے میں بیان بہت سادہ ہے۔ علم جدید دلیل و برہان ہی کے منہاج پر بھروسہ کرتا ہے۔ ''وقت'' کی ضرورت یہ ہے کہ قرآن حکیم کے سادہ بیان کو استدلالی جہت دی جائے تاکہ علم جدید کے سانچے میں ڈھلے اذہان کو قرآنی علم کی طرف متوجہ کیا جاسکے۔ علم سے شعور بیدار ہوتا ہے اور انسان اس شعور کی بنیاد پر آگے بڑھنے کی حرکت وجستجو پاتا ہے۔ حرکت انسان کی نمود وموجودگی کی ایک بنیادی شرط ہے۔ انسان کی نمود خدا کی نمود کا تسلسل ومنشا ہے۔ حرکت تکمیل انسان اور معرفت خدا کی لازمی شرط ہے۔

شعورِ انسانی: کائنات کی تخلیق کے ساتھ حرکت ووقت اور زمان ومکان قائم ہوتے ہیں اور انسان کی تخلیق کے ساتھ شعورِ انسانی کا آغاز ہوتا ہے۔ شعورِ انسانی کی حرکت شعورِ نبوت سے ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پہلا انسان نبی بھی تھا۔ شعورِ نبوت کا سفر خاتم النبیین ﷺ پر اختتام پذیر ہوگیا ہے۔ شعورِ نبوت وحقیقتِ نبوت یا مصلح کا تصور کسی نہ کسی صورت میں تمام اقوام میں تسلیم کیا جاتا ہے۔ ارتقاء مغربی علمیات کے ایک مسلّمہ علمی اصول کے طور پر مروّج ہے۔ قرآن حکیم میں نبوت وشعورِ نبوت انبیاء کی ایک مسلسل کڑی سے منسلک ہیں۔ قرآن نے آدم علیہ السلام کو نبی مانا' اور موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کو بالترتیب یہودیوں اور عیسائیوں کا نبی مانا ہے اور مسلمانوں کو بھی انہیں نبی ماننے کا حکم دے رکھا ہے۔ اس لحاظ سے محمد ﷺ ارتقاءِ نبوت کی اگلی اور آخری کڑی ہیں۔ مغرب کے چوٹی کے حکماء محمد مصطفیٰ ﷺ کی نبوت سے انکاری نہیں ہیں اور نہ انہوں نے موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے بعد آپ ﷺ کے علاوہ کسی کو بطور نبی پیش کیا ہے۔

محبّت: محبت' حسن اور لذّت علم جدید کی مثالی معاشرت یعنی مغرب کے بنیادی نصب العین کے ساتھ منسلک ہو چکے ہیں۔ مگر عصرِ جدید میں محبت' حسن اور لذت کاروباری منفعت' قومی غلبہ کے داعیات اور جنسی عمل سے مشروط ہے۔ گویا یہ الفاظ اپنی حقیقی سطح سے بہت نیچے آگئے ہیں اور اس کے اثرات مشرق اور اُمت میں محسوس کیے جاسکتے ہیں۔ قرآن کا نظریہ محبت' حسن اور لذّتِ حقیقی ہے جو انسان کی محبت کو بلند ترین نصب العین سے روشناس کراتا ہے۔ حسنِ ازلی کو پانے کی آرزو دیتا ہے۔ نصب العین کا احساس اور حسن ازلی کو پانے کی آرزو کے سفر پر جب انسان آگے بڑھتا ہے۔ تب جا کر لذتِ حقیقی سے آشنا ہوتا ہے۔ علم جدید کی عامیانہ سوچ سے

انسان کو باہر لانا وارثانِ قرآن کے ذمہ ہے۔ وہ مطالعہ قرآن کے ایسے رُخ کو سامنے لائیں جن میں ان مضامین وتصورات کے عامیانہ پن کو حقیقی تصورات کے ذریعے اجاگر کیا جا سکے۔

شعورِ نبوت: شعورِ حقیقی، شعورِ نبوت اور شعورِ انسان اللہ تعالیٰ کے مقاصد ومنشا کے بنیادی عناصر ہیں۔ شعورِ حقیقی، شعورِ نبوت کے ذریعے شعورِ انسان کا ایک خاص تدریجی حکمت سے حصہ بنتا آ رہا ہے۔ سلسلۂ نبوت کی تکمیل ہوئی تو شعورِ ایزدی نے شعورِ نبوت شعورِ ذات انسانی کے سپرد کر دیا۔ محمد رفیع الدین اس کو خود شعوری کا نام دیتے ہیں جس سے مراد ذات کا اپنا شعور ہے۔ خود شعوری انسان کو حاصل ہونے والی وہ آزادی ہے جو شعورِ حقیقی کے مقصد ومنشا کے حصول کی استعداد پیدا کر دیتی ہے۔ یہی مقصد خاتم النبیین ﷺ کا تھا اور ہے، اور قرآن خود شعوری کے آنے والے مختلف مراحل کا دستور العمل ہے۔

حکمت عملی: مطالعہ قرآن ''وقت'' کا متقاضی ہے۔ نئے چیلنجز اور تازہ مسائل سے عہدہ برآ ہونا حجیتِ قرآن بھی ہے۔ نئی جہتوں پر مطالعہ قرآن کے لیے قرآن حکیم سے تائید اور حکمت عملی درکار ہے۔ حکمت عملی ''وقت'' کا اجتماعی گروہ تشکیل دیتا ہے۔ یہ مسئلہ آج اُمت کو درپیش ہے۔ محمد رفیع الدین اس صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کے لیے جدید حکمت عملی مرتب کرنے کی فکر کے داعی ہیں۔ قرآن حکیم کتاب حکیم وحکمت ہے۔ شاہ ولی اللہؒ ارتفاقات کے تحت حکمت عملی کی نشاندہی کرتے ہیں۔ علامہ اقبال کی حکمت عملی کے انسان، وحی، فطرت، تاریخ اور عقل استقرائی لازمی اجزاء ہے۔ محمد رفیع الدین آفاق کی سطح پر حکمت عملی کا محور ایک نصب العین یعنی ایک خدا کا تصور قرار دیتے ہیں۔ اس سب کے علاوہ ''وقت'' کے مؤثرات کے تعین ومقام کے بغیر حکمت عملی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ یہ مؤثرات، عقلیت، حسیت، مادیت، تجربیت، میکانیت، اخلاقیت اور جمہوریت وغیرہ ہیں۔

نصب العین: نصب العین جہت مطالعہ وتفہیم القرآن کے لیے ایک نئی جہت ہے۔ نصب العین وہ بنیادی محرک ہے جو انسان کو آگے بڑھنے کے لیے مجبور کرتا ہے۔ محدود نصب العین، محدود سوچ وفکر کو جنم دیتا ہے جبکہ عظیم تر نصب العین عظیم تر فکر کو پروان چڑھاتا ہے۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین کی نصب العینی فکر کو ''داعیہ الی العین'' کا نام بھی دیا گیا ہے۔ نصب العین دراصل تمام انسانی اعمال کی روح اور جذبہ محرکہ ہے۔ نصب العین جب ایک خدا ہو تو مطالعہ قرآن سے علم وعمل کا ایک مربوط نظامِ فکر اجاگر ہوگا اور ایک خدا کا نصب العین آفاقی سطح کی سوچ پیدا کرنے کا موجب ہوگا، کیونکہ ایک خدا کا تصور تمام مذاہب، قوموں اور انسانوں میں کسی نہ کسی صورت موجود ہے، کیونکہ ایک خدا کا تصور فطری محرک ہے۔

علم: علوم الوحی کا نزول لوحِ محفوظ سے ہوتا ہے اور علوم الانسان اس وحی کے تجربات وعمل سے بتدریج مرتب ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے علم کی وسعت کے پیش نظر قرآن حکیم کے مطالعہ کو مزید وسیع کرنے پر زور دیا ہے۔ علم سے لاتعلقی کو درست خیال نہیں کیا کہ علم جس قدر بھی انسانوں کو حاصل ہوتا ہے وہ لوحِ محفوظ سے تقسیم ہوتا ہے۔ قرآن حکیم بھی لوحِ محفوظ سے اتارا گیا ہے۔ لوحِ محفوظ سے ایک وحی پیغمبر پر نازل ہوتی ہے، لیکن الہام کسی انسان پر وارد ہو کر نئی علمی دریافت کا موجب بن جاتا ہے۔ یہ ماہر طب، سائنس دان، فلسفی اور عابد ودرویش ہو سکتا ہے۔ قرآن مجید اور اُسوۂ رسول ﷺ وحی کا معیار وکسوٹی ہیں، جب کہ ان ماخذ اور ماقبل ومابعد

ظہورِ قرآن' انسانی تاریخ سے محسوسات' مقعولات' مادیات' استدلالات اور وجدانیات انسان کے ذرائع ومعیار ہیں۔

صداقت: ''صداقت'' وہ معیار ومیزان ہے جو ہر نظام فکر وحکمت کی تشکیلِ جدید کی بنیاد ہے' نصب العین کے تعین کا پیمانہ ہے اور علم کی تشکیلِ جدید کا میزان ہے۔ علم' نصب العین اور صداقت مسلم ادب وحکمت کا حصہ رہے ہیں اور علم جدید بھی انہی معیارات کو بنیاد بنائے ہوئے ہے۔ ہر نبی اور ہر مذہب نے اپنے ''وقت'' میں صداقت کے معیار ومیزان کو بیان کیا ہے۔ یہ سلسلہ خاتم النبیین ﷺ پر ختم ہوتا ہے۔ پیغمبرانہ ہدایت کا ایک حصہ ابدی سچائیوں کا بیان ہوتا ہے اور دوسرا انسانی شعور کو اس قابل بنانا کہ وہ اپنی بصیرت وجستجو سے صداقت پا سکے۔ معیارِ صداقت کے تعین میں انہی دو طریقوں کو مقبولیت حاصل رہی ہے۔ مذہبی سچائیوں اور صداقتوں کے معیار ومیزان کا پیمانہ عصر حاضر میں قرآن حکیم ہے' دوسرے مذاہب امدادی حیثیت کے حامل ہیں۔ جبکہ دوسری طرف عقلیت' حسیت اور تجربیت انسانی علم وتحقیق کا صداقتی معیار ومیزان ہے۔ قرآن نے ابدی سچائیوں کو بیان کر رکھا ہے۔ انسان اُس کو پانے کی اپنی جستجو میں لگا ہے۔ علم جدید قرآنی یا مذہبی ابدی سچائیوں کے بیان کو چیلنج کرتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ قرآن کو صداقت کا معیار ومیزان بنانے کے لیے علم جدید کے معیارات کو قرآن کے ذیل میں ثابت کیا جائے۔ مطالعہ قرآن کی یہ جہت قرآن کی حجیت کا باعث ہوگی۔

توسیع وتجدید۔ حکماء کا اتفاق

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی ''الفوز الکبیر'' علوم القرآن کے ارتقاء میں ایک اہم موڑ ہے۔ ''الاتقان'' کا خلاصہ کر کے علوم القرآن پر بحث کی ہے۔ باب اول میں مطالعہ قرآن کو پانچ علوم کے تحت بیان کیا ہے۔ اول علم الاحکام جس میں عبادات' معاملات' تدبیر منزل وسیاست مدن شامل ہے۔ دوم' علم مناظرہ' جس میں یہود' نصاریٰ' مشرکین اور منافقین سے معاملات کرنا۔ یعنی تمام غیر مسلم قوتوں کے علمی چیلنج کا قرآن کی رو سے تسلی بخش جواب مہیا کرنا ہے۔ سوم' تذکیر بآلاءِ اللہ' جس میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت' خالقیت' ربوبیت اور رحمت زیر بحث آتی ہے۔ چہارم' تذکیر بایام اللہ' جس میں ہدایت وضلالت اور حق وباطل کی کشمکش یا خارجی اثرات کا تعین وحل۔ پنجم' تذکیر بالموت ومابعدالموت' جس میں موت اور بعد از موت کی حقیقت کا بیان ہے۔ یوں قرآن کے بے پناہ علوم کو پانچ عنوانات کے تحت بیان کر کے مطالعہ قرآن کے لیے آسانی پیدا کی ہے۔ بہت مختصر اور جامع طور پر بیان کیا ہے اور چار ابواب کے تحت تقسیم کیا ہے۔ یعنی وجوہ خفائے نظم قرآن' نظم قرآنی کے لطائف اور اُس کے اسلوب وبدیع کی تشریح' فنون تفسیر اور غرائب قرآنی کے تحت بیان کیے ہیں۔(۷۷) محمود احمد غازی نے علوم پنج گانہ کو آسان عنوانات عقائد' احکام' اخلاق' تزکیہ واحسان اور تذکرۂ موت ومابعدالموت کے تحت بیان کیا ہے۔(۷۸) مولانا محمد حنیف ندوی نے ''مطالعہ قرآن'' میں محتویات قرآن کے تحت شاہ ولی اللہ کے ان علوم پنج گانہ کی تفصیلی وضاحت کی اور خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ قریب قریب قرآن کے تمام معارف کو پانچ خانوں میں تقسیم کر کے علوم القرآن کے باب میں ایک نئی جہت دی ہے۔ اس کے باوجود مولانا کا یہ دعویٰ ہے کہ:

> ''ابھی متعدد نجوم وکواکب ایسے ہیں جنہیں اس کتاب ہدیٰ کے مطلع روشن سے ابھرنا اور طلوع ہونا ہے اور بے شمار نکات ومعانی ہیں جنہیں زمان وارتقاء کی مناسبتوں کے ساتھ ساتھ نکھرنا اور واضح ہونا ہے۔''(۷۹)

مولانا محمد تقی عثمانی نے ''علوم القرآن'' پر لکھا اور اُسے کتابی صورت دی۔ علماء میں سے یہ جدید کوشش ہے جو بالغ نظری پر مشتمل ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں انسان کو پیدا کیا تو اُس کے علم و معلومات کے تین آلہ جات بھی عنایت فرما دیے۔ یعنی:

(۱) حواس (۲) عقل (۳) وحی

حواس علم کا پہلا، عقل علم کا دوسرا اور وحی علم کا تیسرا اور حتمی درجہ ہے۔ بہت سی باتیں حواس سے معلوم ہوتی ہیں اور بہت سی باتوں کی سمجھ عقل سے آتی ہے اور جہاں عقل کی حدیں ختم ہو جاتی ہے وہاں علم کا واحد ذریعہ وحی رہ جاتی ہے۔ (۸۰)

مولانا تقی عثمانی نے ان سطور میں جدیدیت کے آلہ علم حواس و عقل کی پوری اہمیت کو درست تسلیم کیا ہے اور وحی کی اعلیٰ و برتر اہمیت کو قائم رکھتے ہوئے انسان کے ابتدائی آلہ جات سے الگ نہیں کیا۔ تطابق و ہم آہنگی کی یہ زبردست کوشش ہے۔ تطابق و ہم آہنگی کی یہ کوشش فروع میں نہیں کی بلکہ ابتدائی اصولوں میں کی ہے۔ اصولوں میں جب تعارض واقع نہیں ہوگا تو فروع میں مسائل پیچیدہ نہیں ہوں گے۔ مغرب یا علم جدید نے دو آلہ جات پر اپنے یقین کو دوام دے دیا ہے۔ انسان نے اپنے حواس و عقل پر بھروسہ کرنا سیکھ لیا ہے۔ وہ دیوتا سے اب نہیں ڈرتا۔ ڈرنے کی کیفیت سے نکلنے کے لیے وہ اب اکثر اوقات خدا سے بھی ڈرنے سے انکار کرتا ہے۔ اس انکار کا تعلق دراصل ایک تاریخی و مذہبی تعبیر و تشریح کا خوف ہے نہ کہ خدا تعالیٰ کا۔ ایک کیفیت جو انسان کو خوف زدہ رکھتی تھی، انسان اُس سے باہر نکل آیا ہے۔ یہ اعلیٰ بلوغت اور انسان کے اعتماد کی نشانی ہے۔

وحی کی علمی و حتمی حیثیت مسلمہ ہے۔ علم جدید کے علمی آلہ جات کو مسترد کیے بغیر جب ایک نئے یقین افروز آلہ علم کو باور کرانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور کامیاب نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے تو ہم علم جدید کی مزید ترقی کا باعث بنیں گے اور یہ انسان کی خدمت ہوگی۔ اُس کی اعلیٰ بلوغت کو یقین ملے گا۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی کی ''محاضراتِ قرآنی'' کو تازہ ہوا کا جھونکا قرار دیا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے قرآن کے حوالے سے مطالعہ کے اَن گنت میدانوں کی نشاندہی کی۔ مطالعہ قرآن کے ضمن میں جہاں موجودہ عصری نظریات اور عصری علوم زیر بحث آ سکتے ہیں وہاں ابھی مزید علوم کے وسیع میدان منتظر ہیں۔ قرآن علوم و معارف کا گنجینہ ہے اور ہر دور کے اہلِ علم پر اس کی تازہ تعبیر و تشریح فرض ہے۔ اور حدیث پاک کے مطابق ہر دم تازہ تعبیر و تشریح قرآن کے بے پناہ عجائبات کا ظہور ہوگا۔ مطالعہ قرآن کا ہمیشہ یہ سلیقہ رہا ہے کہ ہر تازہ صورتِ حال اور ہر جدید علم کے منظر پر آنے کے بعد قرآنی احکامات و فکریات کو اُس پر منطبق کرے، تہذیب و اصلاح کرے، ہر نئے سوال کے جواب پر قرآن مجید کی تعبیر و تشریح کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس ضمن میں تفسیر کے اصول اور تعبیر کے نئے قواعد درکار ہوتے ہیں (۸۱) تفسیر کے نئے اصول اور تعبیر کے نئے قواعد بھی اُسی طرح ''علوم القرآن'' کا حصہ متصور ہوں گے جیسے پہلے اصول و قواعد شمار ہوتے ہیں۔ محمود احمد غازی نے ''علوم القرآن'' کی بھی باقاعدہ وضاحت کی ہے کہ اس کے دو دائرے ہیں، ایک نسبتاً چھوٹا اور تنگ دائرہ ہے جس میں وہ علوم و فنون شامل ہیں جن کا تعلق براہ راست قرآن مجید کی تفسیر اور فہم سے ہے جب کہ علوم القرآن کے نسبتاً وسیع

دائرہ میں انسان کی تمام فکری کاوشیں شامل ہیں جن کی سمت درست ہو اور جن کی اساس صحیح ہو۔ اس میں آئے دن نئے نئے علوم و معارف شامل ہو رہے ہیں اور مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ اور کہا کہ جب مسلمانوں کے موجودہ معاشرتی و انسانی علوم از سر نو مدون ہو جائیں گے تو پھر یہ ماضی کی طرح قرآن فہمی میں مددگار ہوں گے۔ (۸۲)

صداقت: علوم القرآن کے تحت مرتب شدہ قواعد و ضوابط قرآن کے مطالعہ و تفسیر کا ابتدائی دروازہ ہیں۔ اس دروازہ کی جب تک توسیع نہیں ہوتی جدید علمی دریافتوں کو قرآنی علوم کی کسوٹی پر پرکھنا مشکل ہے اور مطالعہ قرآن کی نئی جہتوں کا تعین ممکن نہیں ہے۔ اُمت علوم القرآن کے قواعد و ضوابط سے ہٹ کر کسی مطالعہ اور کسی جہت کو درست خیال نہیں کرتی۔ تاریخی طور پر قرآنی مطالعہ و تفسیر کے لیے جن قواعد و ضوابط کو علوم القرآن کی اصطلاح دی گئی ہے، بنیادی طور پر یہ مطالعہ قرآن کے امدادی علوم ہیں جو قرآن کے داخلی معنوں تک پہنچنے میں معاون ہوتے ہیں۔ علوم الحدیث، علوم الفقہ بھی امدادی علوم ہیں۔ مطالعہ قرآن کے لیے یہ امدادی علوم عہد بہ عہد مرتب ہوئے ہیں۔ وقت جدید آج پھر ان علوم میں وسعت کا متقاضی ہے۔ قرآن زندہ کتاب ہے اور شارحِ کتاب اور خاتم النبیین ﷺ کی احادیث محفوظ ہیں، فقہ اور تاریخی مسلم سرمایہ موجود ہے، مگر نتائج مسلمانوں کے حق میں نہیں آ رہے ہیں۔ نتیجہ خیزی کے لیے قرآن و حدیث ہی ہمارے لیے مینارۂ نور ہیں۔ جدید مسائل کو قرآن کی کسوٹی پر پرکھنے کے لیے علوم القرآن کے دائرے کو وسیع کرنے کی ضرورت ہے۔ علوم القرآن کے زیادہ تر قواعد و ضوابط قرآن کے لفظی و داخلی معنوں کی خاطر مرتب ہوئے ہیں۔ خارجی ترقی اور اُس کے اثرات جن علوم کی بنیاد پر ظہور پذیر ہوئے انہیں زیر بحث لانے کے لیے مزید قواعد و ضوابط درکار ہیں۔ خارجی ترقی و اثرات کے نمایاں نظریات کی قرآن حکیم کی روشنی میں چھان پھٹک ایک ضروری عمل ہوگا، لیکن کسی نظریہ پر حتمی و قطعی تنسیخ و تنقید درست انداز نہ ہوگا۔ قرآن حتمی و قطعی ہے مگر انسانی علوم و افکار اقدام و خطا کے انداز میں آگے بڑھتے ہیں اور اس عمل سے گزر کر خود انسان ہی حتمی و قطعی علوم و افکار کو پالیتا ہے۔

حواشی و حوالہ جات

(۱) ڈاکٹر محمد رفیع الدین، علامہ محمد اقبال کے معنوی شاگردوں میں شمار ہوتے تھے۔ بین الاقوامی شہرت کی حامل فکر رکھتے تھے۔ ۱۹۰۴ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۴۹ء میں حادثاتی موت کا شکار ہو گئے (انا للہ وانا الیہ راجعون)۔ جائے پیدائش جموں، جموں کشمیر اور جائے وفات کراچی ہے۔ اقبال اکیڈمی کراچی کے ۱۲ سال ڈائریکٹر رہے۔ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں، جن میں ''آئیڈیالوجی آف دی فیوچر'' نے بین الاقوامی شہرت حاصل کی، جبکہ ''قرآن اور علم جدید''، ''فرسٹ پرنسپلز آف ایجوکیشن'' اور ''حکمت اقبال'' نے برصغیر کے چوٹی کے علماء و حکماء میں شہرت پائی۔ تین چار ادارے ان کی فکر پر کام کر رہے ہیں۔ زیر نظر مقالہ میں ڈاکٹر محمد رفیع الدین کی فکر بنیادی توجہ کی حامل ہوگی۔ ان کی علمی اہمیت اور فکر پر پروفیسر محمد منور مرزا رقمطراز ہیں:

> ''فلسفہ و دین کا تال میل اکثر مسلمان فلاسفہ میں نظر آتا ہے مگر یہ امتزاج حضرت علامہ کے یہاں وارد ہو کر عروج کو پہنچ جاتا ہے۔ اس امر کی ترجمانی ڈاکٹر محمد رفیع الدین صاحب کے نظریات کرتے ہیں۔'' (تبصرہ اسلامی تعلیم، جلد ۱، شمارہ ۱۰، ۱۹۷۲ء، ص ۳۵)

(۲) ڈاکٹر محمد رفیع الدین، قرآن اور علم جدید، آل پاکستان ایجوکیشن کانگریس، ۷ فرینڈز کالونی لاہور ۱۹۹۶ (چھٹا ایڈیشن) ص ۱۰۔

(۳) ڈاکٹر محمد رفیع الدین، پاکستان کا مستقبل، آل پاکستان ایجوکیشن کانگریس، لاہور ص ۴۲۔ دوسرا ایڈیشن ۱۹۹۴ء۔ پہلا ۱۹۵۳ میں شیخ برکت علی اینڈ سنز لاہور نے شائع کیا تھا۔

(۴) سورۃ العلق ۹۶۔ آیات ۴، ۵۔ (۵) ڈاکٹر محمد رفیع الدین، پاکستان کا مستقبل، ص ۴۷۔

(۶) ایضاً، ص ۱۰۔

(۷) بخاری و مسلم میں یہ حدیث مبارکہ متعدد ابواب میں بیان ہوئی ہے۔ مزید برآں یہ حدیث ابو داؤد (۱۴۸۵)، ترمذی (۲۹۴۳)، نسائی (۹۳۵) اور دوسری کئی کتب میں بھی بیان ہوئی ہے۔

(۸) جمال الدین ابی الفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد ابن الجوزی (متوفی ۵۹۷ھ)۔ علوم القرآن پر ''فنون الافنان فی علوم القرآن'' کے علاوہ ۴۸ کتابوں کے مصنف ہیں۔ ''تذکرۃ الاریب فی تفسیر الغریب'' (غریب قرآن الکریم) میں حالات زندگی اور فہرست کتب بیان کی گئی ہے۔ یہ کتاب جدید انداز سے دارلکتب العلمیہ بیروت لبنان سے ۲۰۰۴ء میں شائع ہوئی ہے۔

(۹) شرح مشکل الآثار للطحاوی: ۱۱۵/۸۔ کم و بیش الفاظ کے ساتھ یہ حدیث مسند امام احمد، مستدرک حاکم، اور سنن دار قطنی میں بیان ہوئی ہے۔

(۱۰) جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی (۸۴۹ھ۔ ۹۱۱ھ/۱۴۴۵ء۔ ۱۵۰۵ء) ''الاتقان فی علوم القرآن'' دارالکتاب العربیہ، بیروت لبنان، ۲۰۰۷ء، نوع ۱۴، ص ۱۲۳۔ سیوطی نے اس حدیث پر بڑی تفصیلی بحث کی ہے۔ اس کا اردو ترجمہ دو جلدوں پر مشتمل شائع ہو گیا ہے۔ محمد حلیم انصاری کا ترجمہ ادارہ اسلامیات لاہور نے ۱۹۸۲ء میں شائع کیا۔

(۱۱) ابن الجزری (م ۸۳۳ھ) ''النشر فی القراءت العشر'' دمشق (۱۳۴۵ھ) جلد ۱، ص ۲۱۔

(۱۲) سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ص ۱۲۳۔

(۱۳) محمد عبدالعظیم الزرقانی، مناہل العرفان فی علوم القرآن، دارالکتاب العلمیہ بیروت لبنان، ۲۰۰۴ء، ص ۸۱ تا ۱۱۰۔

(۱۴) مولانا محمد تقی عثمانی، علوم القرآن، طبع جدید مکتبہ دارالعلوم کراچی ۲۰۰۵ء، ص ۱۰۱، ۱۱۰۔ تقی عثمانی کے ہاں سات سے مراد محض کثرت نہیں بلکہ عدد مراد ہیں اور آپ ﷺ پر حضرت جبرائیلؑ کی آمد اور ربّ العزت سے آپ ﷺ کی معذرت اور مغفرت کے بعد ایک حرف سے سات حرف کی منظوری قراءت سے متعلق ہے۔ انہوں نے یہ دونوں احادیث بخاری و مسلم، محمد عبدالعظیم الزرقانی کی کتاب ''مناہل العرفان فی علوم القرآن'' کے حوالے سے بیان کی ہیں۔

(۱۵) امام بدرالدین زرکشی، البرہان فی علوم القرآن، دارالکتاب العلمیہ بیروت ۱۹۹۸ء۔ یہ کتاب دو جلدوں اور چار اجزاء پر مشتمل ہے اور علوم القرآن پر مفید بحث موجود ہے۔

(۱۶) علامہ جلال الدین سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، دارالکتاب العربیہ بیروت ۲۰۰۷ء، ص ۳۵۔

(۱۷) ابن ندیم، الفہرست، مطبعہ رحمانیہ مصر، ص ۵۵، جبکہ سیوطی نے الاتقان کے مقدمہ میں اسے بیان کیا ہے۔

(۱۸) ابن الجوزی، فنون الافنان فی عجائب القرآن، دارالکتاب العربیہ بیروت، ۲۰۰۴ء۔

(۱۹) امام بدرالدین الزرکشی، البرہان فی علوم القرآن، دارالکتاب العربیہ بیروت، ۲۰۰۷ء۔

(۲۰) جلال الدین سیوطی' الاتقان فی علوم القرآن' دار الکتاب العربیہ بیروت' ۲۰۰۷ء۔
(۲۱) محمد عبدالعظیم زرقانی' مناہل قرآن فی علوم قرآن' دار الکتاب العلمیہ بیروت' ۲۰۰۴ء۔
(۲۲) ڈاکٹر صبحی صالح' مباحث فی علوم القرآن۔ اس کا اردو ترجمہ (از غلام احمد حریری) دستیاب ہے۔
(۲۳) شاہ ولی اللہ' الفوز الکبیر فی اصول التفسیر' ترجمہ رشید احمد انصاری' مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی' ۱۹۵۵ء۔ یہ کتاب درسی کتاب کے طور پر کئی بار شائع ہو چکی ہے۔
(۲۴) اردو دائرہ معارف اسلامی' پنجاب یونیورسٹی لاہور' ص ۵۲۹ (عنوان قرآن)۔
(۲۵) جمع و تدوین قرآن پر متعدد کتب لکھی گئی ہیں۔ الاتقان نوع ۸ ص ۸۵۳' مناہل العرفان' زرقانی باب ۸ ص ۱۳۴ ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔ البتہ توسعی و تدریجی انداز میں اسے ڈاکٹر حمید اللہ نے ''خطبات بہاول پور'' میں احسن انداز میں بیان کیا ہے۔ ادارۂ تحقیقات اسلامی' اسلام آباد' اشاعت نہم' ۲۰۰۳ء۔
(۲۶) امام زرکشی' البرہان فی علوم القرآن' جز ۲' ص ۱۹۰۔
(۲۷) الاتقان' نوع ۷۸' ص ۸۷۲۔ (۲۸) ایضاً۔
(۲۹) ڈاکٹر محمود احمد غازی' محاضراتِ قرآنی' الفیصل لاہور' ۲۰۰۴ء' ص ۲۴۲۔ محمود احمد غازی کا ماہ ستمبر ۲۰۱۰ء میں انتقال ہو گیا۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ''محاضراتِ قرآنی'' علوم القرآن میں تازہ ہوا کا جھونکا ہے۔
(۳۰) یہ عجیب بات ہے کہ علوم القرآن کے تحت لکھی جانے والی کتب اور علوم القرآن کی فہرست بندی میں علم اصولِ حدیث اور علم اصولِ فقہ کا تذکرہ نہیں کیا جاتا' اور ایسے محسوس ہوتا ہے کہ یہ علوم' فہم قرآن سے الگ کسی علم کے اصول و قاعدے ہیں۔ حالانکہ انہیں علوم القرآن میں بہت نمایاں درجہ پر ہونا چاہیے۔
(۳۱) مولانا شبلی نعمانی' سیرت النبی ﷺ' جلد ۴' ص ۹۲۔
(۳۲) امام غزالی' المستصفی من علم الاصول۔ ۶۰۸ صفحات پر مشتمل عربی میں یہ تازہ اشاعت دار الکتاب العلمیہ بیروت نے شائع کی ہے۔ اجماع اور عقل پر مباحث ہیں۔
(۳۳) مجلّہ الاحکام العدلیہ' طبع بیروت ۱۹۸۰ء' ص ۱۴۔ یہ مجلّہ بنیادی طور پر فقہی قواعد و ضوابط پر مشتمل ہے۔ یہ قواعد و ضوابط قرآن و حدیث سے مسائل و احکام کے استنباط کے لیے ترتیب دیے گئے ہیں۔ محض فقہی قواعد و ضوابط کہہ کر پکارنے سے یہ تاثر ملتا ہے کہ شاید یہ قرآن و حدیث کے علاوہ یا غیر ہیں۔
(۳۴) امام غزالی' عزالدین بن عبدالسلام' قواعد الاحکام' ص ۴' ۱۰۔
(۳۵) علی بن تمام ابن السبکی' القواعد والاشباہ والنظائر' بحوالہ ڈاکٹر جمال الدین عطیہ' فقہ اسلامی کی نظریہ سازی (ترجمہ) الفیصل لاہور' ۱۹۷۷ء' ص ۹۵۔۱۲۰۔
(۳۶) جلال الدین سیوطی' الاشباہ والنظائر۔ یہ ضخیم کتاب ۸۱۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ سات ابواب پر مشتمل اس کتاب میں قواعد و ضوابط بیان کیے گئے ہیں۔ پہلے باب اور دوسرے باب میں استخراجی قواعد بیان کیے گئے ہیں۔ پیش نظر اشاعت ۲۰۰۶ء کی دار الکتاب العربی بیروت لبنان کی ہے۔
(۳۷) ابن نجیم' الاشباہ والنظائر' ص ۱۵۔
(۳۸) ڈاکٹر جمال الدین عطیہ' فقہ اسلامی کی نظریہ سازی' ترجمہ الفیصل لاہور' ۱۹۷۷ء' ص ۹۵۔۱۰۰۔
(۳۹) ایضاً' ص ۱۰۱۔

(۴۰) شاہ ولی اللہ' الفوز الکبیر' ترجمہ رشید احمد انصاری' ص ۳۔
(۴۱) سرسید احمد خان (۱۸۸۷ء۔۱۸۹۸ء) تفسیر قرآن' ایک جلد' دوست ایسوسی ایٹ لاہور۔
(۴۲) ابوالکلام آزاد (۱۸۸۸۔۱۹۵۸ء) ترجمان القرآن' اسلامی اکادمی لاہور' جلد ا' ص ۱۴۔
(۴۳) عبدالماجد دریا آبادی (۱۸۹۶۔۱۹۷۷ء) مقدمہ تفسیر ماجدی' تاج کمپنی لاہور' دو جلد۔
(۴۴) علامہ محمد اقبال' تشکیل جدید الٰہیات الاسلامیہ' بزم اقبال لاہور' ص ۱۸۔
(۴۵) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی (۱۹۰۳۔۱۹۷۹ء) مقدمہ تفہیم القرآن' ادارہ ترجمان القرآن لاہور۔
(۴۶) مولانا امین احسن اصلاحی () تدبر قرآن مقدمہ ملاحظہ کیجیے۔
(۴۷) ڈاکٹر اسرار احمد (۱۹۳۲۔۲۰۱۰ء) مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق' لاہور ۱۹۹۲ء' ص ۲۸۔
(۴۸) ڈاکٹر برہان احمد فاروقی نے ''قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل'' اور ''منہاج القرآن'' میں عمدگی سے اس رجحان کو بیان کیا ہے۔ یہ دونوں کتب ادارہ ثقافت اسلامیہ ۶ کلب روڈ لاہور سے شائع ہو چکی ہیں۔
(۴۹) ڈاکٹر محمود احمد غازی (وفات ستمبر ۲۰۱۰ء) نے سلسلہ محاضرات کی پہلی کاوش ''محاضرات قرآنی'' میں علوم القرآن اور فہم القرآن کی پوری تاریخ کو عمدگی سے بیان کرنے کے ساتھ عہد حاضر میں مطالعہ قرآن کے طریقوں کی نمایاں نشاندہی کی ہے۔
(۵۰) ڈاکٹر محمد رفیع الدین' قرآن اور علم جدید' ص ۱۰۳۔ (۵۱) ایضاً' ص ۳۲۔
(۵۲) ایضاً' مقدمہ کتاب۔ (۵۳) ایضاً' ص ۱۱۸۔
(۵۴) محمد رفیع الدین' اسلام اور سائنس' مرتب مظفر حسین' سائنس کی دینیات' ص ۲۷۔
(۵۵) محمد رفیع الدین' حکمت اقبال' ص ۴۶۸۔ (۵۶) ایضاً' ص ۴۷۳۔
(۵۷) چارلس ڈارون (۱۸۰۹۔۱۸۸۲ء) نے The origin of species میں یہ نظریہ پیش کیا جو بے حد مقبول ہوا۔ اس نے حیاتیات کے تین اصول بیان کیے۔ اول تنازع للبقاء' دوم بقائے زندگی' سوئم انتخاب طبعی۔
(۵۸) محمد رفیع الدین' قرآن اور علم جدید' ص ۳۸۔
(۵۹) میکڈوگل (۱۸۷۱۔۱۹۳۸ء) سوشل سائیکالوجی ص ۳۸' ترجمہ محمد ہادی (معاشرتی نفسیات)' جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن' ۱۹۲۷ء۔
(۶۰) فرائیڈ (۱۸۵۶۔۱۹۳۸ء) ''The Ego and the Id'' ص ۵۴' دی گریٹ بکس۔ فرائیڈ کی متعدد کتب ہیں۔ دی گریٹ بکس' برٹینکا نے اصل ٹیکسٹ کو یکجا کیا ہے۔ یہ سیریز ساٹھ جلدوں پر مشتمل ہے جس میں یورپ کے سربرآوردہ حکماء کو یکجا کیا گیا ہے۔
(۶۱) قرآن اور علم جدید' ص ۳۳۱۔ (۶۲) حاشیہ نمبر ۵۷ میں بیان ہوا ہے۔
(۶۳) حاشیہ نمبر ۵۹ میں بیان ہوا ہے۔ (۶۴) حاشیہ نمبر ۲۰ میں بیان ہوا ہے۔
(۶۵) محمد رفیع الدین نے میکیاولی کے نظریہ سیاست کو ''قرآن اور علم جدید'' اور ''Ideology of the Future'' میں بیان کیا ہے۔
(۶۶) مولانا محمد حنیف ندوی' سیاسیاتِ اسلام' ص ۲۱۷۔
(۶۷) عبدالماجد دریا آبادی' تفسیر ماجدی' تاج کمپنی لاہور' جلد اول' ص ۱۲۳۔

(۶۸) ڈاکٹر علامہ محمد اقبال' خطبات' ص ۱۱۔
(۶۹) ڈاکٹر محمد رفیع الدین' قرآن اور علم جدید' ص ۱۵'۱۶۔
(۷۰) "Manifesto of Islam" کا اردو ترجمہ ڈاکٹر ابصار احمد نے ''منشور اسلام'' کے نام سے کیا ہے' جسے مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے شائع کیا ہے۔
(۷۱) جمہوریت (Democracy) پر مختصر معلومات کے لیے آکسفورڈ کی شائع کردہ Bernard Crick کی "Democracy" ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔
(۷۲) گلوبل ازم آج کا موضوع ہے۔ متعدد تحریریں سامنے آچکی ہیں۔ مختصر معلومات کے لیے آکسفورڈ سے شائع کردہ Manfred Steger کی Globalization ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔
(۷۳) ترجمہ آیت مولانا عبدالماجد دریا آبادی کی ''تفسیر ماجدی'' سے لیا گیا ہے۔
(۷۴) ڈاکٹر محمد رفیع الدین' قرآن اور علم جدید' ص ۱۱۰۔
(۷۵) ڈاکٹر محمد رفیع الدین' سائنس کی دینیات' ص ۱۷۔
(۷۶) ڈاکٹر محمد رفیع الدین' قرآن اور علم جدید' ص ۴۸۔
(۷۷) شاہ ولی اللہ' الفوز الکبیر (عربی)' اردو ترجمہ: مولانا رشید احمد انصاری' مکتبہ برہان دہلی ۱۹۵۵ء۔ اس کے علاوہ ہجرہ کونسل سے شائع شدہ انگریزی کا نسخہ' محمد سلیم عبداللہ کا ترجمہ شدہ نسخہ جو اردو اکیڈمی سندھ' کراچی نے ۱۹۶۰ء میں شائع کیا اور جو نسخہ ادارہ اسلامیات لاہور نے ۱۹۸۲ء میں دہلی نسخہ کی کاپی کر کے شائع کیا اور مولانا تقی عثمانی کی کتاب ''علوم القرآن'' کا ایک باب بھی دیا ہے' راقم کے پیش نظر ہیں۔
(۷۸) ڈاکٹر محمود احمد غازی' محاضرات قرآنی' الفیصل لاہور ۲۰۰۴ء' ص ۳۴۷۔ علوم القرآن پر یہ تازہ ترین پیش رفت ہے۔ اسے کتب سابقہ کا جامع کہنا بے جا نہ ہوگا۔ خطیبانہ انداز کی عام سادہ زبان میں علوم القرآن کے سارے موضوعات کو بنیادی مآخذ اور عصر جدید کی ذہنی ضرورتوں کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ بارہ خطبات میں خطبہ نہم کو خصوصاً ''علوم القرآن'' کے مختصر جائزے کے لیے مخصوص کیا گیا ہے۔
(۷۹) مولانا محمد حنیف ندوی' مطالعہ قرآن' ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور' طبع سوم ۱۹۹۸ء' ص ۱۵۲۔ ''مطالعہ قرآن'' مولانا صاحب کی اہم کتاب ہے۔ اس میں وہ ''علوم القرآن'' کے روایتی موضوعات کے تحت جدید فکر کو بیان کرتے ہیں اور شاہ ولی اللہ کے کام کو آگے بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں۔
(۸۰) مولانا محمد تقی عثمانی' علوم القرآن' ص ۳۶۔
(۸۱) ڈاکٹر محمود احمد غازی' محاضرات قرآنی' الفیصل لاہور' ۲۰۰۴ء' ص ۱۶۰۔
(۸۲) ایضاً' ص ۲۰۸۔

❁❁❁

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا